صحابۂ کرامؓ کا تعارف

قرآن اور اہل بیتؓ کے اقوال کی روشنی میں

تالیف

عبداللہ بن جوران الخضیر

نظر ثانی

شیخ راشد سعد الراشد

ترجمہ

عنایت اللہ دوانی
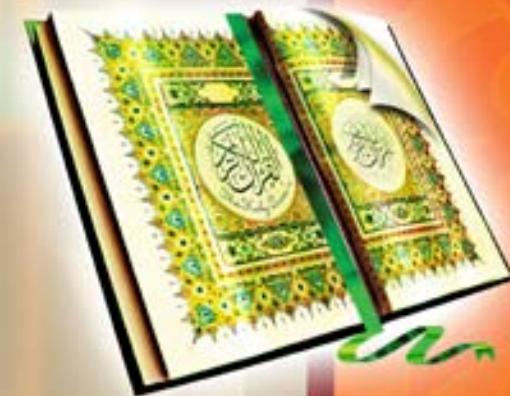
انتساب

اہلِ بیت اور صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم
کو چاہنے والوں کے نام

نام کتاب : ما قاله الثقلان في أولياء الرحمٰن

اردو نام : صحابہ کرام کا تعارف
قرآن اور اہل بیت کے اقوال کی روشنی میں

تالیف : عبداللہ بن حمزان الکلیم

نظر ثانی : شیخ راشد سعد الراشد

ترجمہ : عنایت اللہ وانی

شکر و امتنان

مبرۃ الآل والاصحاب شیخ عبداللہ بن جوران الخضیر کی ممنون و مشکور ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کافی محنت اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

قارئین کرام کے لئے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مبرۃ میں موجود "مرکز البحوث والدراسات" ایسی تمام کتابوں کی تالیف و تصنیف پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے جو اس کے اہداف و مقاصد کے مطابق ہوں۔

اسی طرح مرکز ایسی تمام کتابوں کو حاصل کرنے کا اہتمام کرتا ہے جو اس موضوع سے متعلق کہیں بھی موجود ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر محنت کرنے والے کو اجر عظیم سے نوازے اور امت مسلمہ میں اتفاق و اتحاد پیدا فرمائے۔ آمین

فہرست

مقدمہ

تمام تعریفیں رب دو جہاں کے لئے سزاوار ہیں، درود و سلام ہو اس ذات گرامی پر جس کو تمام عالم کے لئے سراپا رحمت وہدایت اور نور بنا کر بھیجا گیا، آپ کے اہل بیت پر، جو ہدایت کے روشن چراغ اور شمع نور ہیں، آپ کے تمام اصحاب پر، جنہوں نے قرآن کو اپنے بعد کے لوگوں تک پہنچایا اور ان تمام لوگوں پر جو تا قیامِ قیامت ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہیں۔ امابعد!

اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات میں سے یہ ایک بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ہمارے پاس ہم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا، جس کی دعوت کا مقصد اور اہم ترین کام یہ تھا کہ ہم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی راہ پر گامزن کرے، شقاوت وبدبختی سے بچا کر دنیوی واخروی سعادت سے ہمکنار کرے۔

جب پیغمبر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پیغام پہنچانے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس مبارک دعوت کو ایک ایسی جماعت نے سنبھالا جن کا انتخاب من جانب اللہ ہوا، اللہ نے ان کے دلوں کا امتحان لیا اور ان کے تقویٰ کو پرکھا، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو اپنی رضا اور مغفرت کے انعام سے نوازا۔

اس عظیم الشان رضا اور مغفرت کے انعام سے اسی وقت نوازا گیا جب کہ اس پاکیزہ جماعت نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے جنہوں نے دشمنوں کو بھی حیران کر دیا چہ جائے کہ دوستوں کو، مشہور ہے کہ برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہو۔

اگرچہ انہوں نے اس دین کے لئے ہر چیز قربان کی اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا لیکن اس کے باوجود لوگوں میں سے ایک گروہ ان سے خوش نہیں ہوا، یا تو اس

لئے کہ وہ صحابہ کی حقیقت سے واقف نہیں تھے، یا وہ اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے اور ان کا ایمان راسخ نہیں تھا، اس لئے ان میں سے ایک فریق نے تو جانتے بوجھتے اور دوسرے فریق نے ناواقفیت میں جذبات کی رو میں بہہ کر غلط اقوال کی پیروی کی رٹ کہ اس دین کی بنیادوں کو متزلزل کیا جائے اور اس کے سدا بہار درخت کو خشک کیا جائے، اسی کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ اس دین کو ہم تک پہنچانے والے صحابۂ کرام کے بارے میں طعن وتشنیع کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

ان چند صفحات میں کوشش کی گئی ہے کہ صحابہ کی مقدس جماعت کے مقام ومرتبہ کو واضح کیا جائے، کیونکہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے احباب سے بھی محبت کرتا ہے اور ان سب کو اپناتا ہے، ان کے دشمنوں کو اور ان سے بغض ونفرت رکھنے والوں کو وہ ناپسند کرتا ہے، یہ اس دنیا کی سنت ہے، اس سے کوئی بھی سوائے کینہ پرور لوگوں کے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا ہے، ہم صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ہر اس شخص سے محبت کرتے ہیں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی ہے، اس لئے کہ ہمارے دین کی بنیاد ہے: اللہ کے لئے اس کے اولیاء سے محبت کرنا اور اسی کے لئے اس کے اعداء سے دشمنی رکھنا۔

اگر اس پہلو کو واضح کرنے میں مجھ سے کمی رہ گئی ہو تو اس کا سبب یہ ہے کہ جو چیز واضح اور معروف ہو اس میں زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اس کی مزید توضیح مشکل ہو جاتی ہے، اور کبھی واضح چیز کی مزید وضاحت اس کو مشکل بنا دیتی ہے۔

اگر مجھ سے کوئی چیز رہ گئی ہو تو مجھے امید ہے کہ محبت کرنے والے خیر خواہ حضرات میری رہنمائی کرنے اور آگاہ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیں گے، ہم سب کا مقصد یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے۔

تمہید

لغوی اعتبار سے صحابی کا مفہوم کیا ہے اور اصطلاح میں صحابہ کا اطلاق کن برگزیدہ شخصیات پر ہوتا ہے اس سلسلہ میں بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں کوئی واضح تصور نہیں ہے، بلکہ انہوں نے دونوں طرح کے مفاہیم کو خلط ملط کر دیا ہے اور اس کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً:

۱۔ اس کے بارے میں ان کی عدم واقفیت اور قلت فہم۔

۲۔ دونوں کے درمیان فرق کرنے کی طرف عدم توجہ، اس لئے کہ عربی زبان کے بارے میں ان کے پاس موجود مواد بہت ہی قلیل ہے۔

ان دو اسباب کی بنا پر بعض مرتبہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ صحیح بات کو سمجھنے کے سلسلے میں ان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، جس کی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جانب انہوں نے بہت سے غلط قسم کے اقوال و افعال منسوب کئے، اور ان کے بارے میں نفاق و ارتداد جیسے بہت سے خطرناک قسم کے اعتقادات گڑھ کر ان کی جانب منسوب کئے، اس بے بنیاد تصور کے بارے میں وہ ان متشابہ آیات یا ان قرآنی دلالات سے استدلال کرتے ہیں جن سے انہوں نے اپنی کج فہمی اور کوتاہ نظری کے ذریعہ غلط مفاہیم سمجھے، اس طور پر کہ انہوں نے احادیث صحیحہ متواترہ میں موجود متفرق کلمات لے کر ان کی غلط اور بے بنیاد تاویلات و تشریحات کیں، اس سے ان کی کم علمی و کم مائیگی اور کج فہمی کے علاوہ اور کسی چیز کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے لوگ عربی زبان سے نابلد ہوتے ہیں، اور اپنے دعویٰ پر ضعیف یا موضوع قسم کی روایات سے استدلال کرتے ہیں جو پوری صحت

کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی نہیں ہوتی ہیں، اس لئے یہ وہم باطل پر انحصار و استناد کرتے ہیں جیسے کہ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا لیتا ہے، اس موضوع پر ان سے گفتگو کرنے والے کسی بھی شخص کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بہت سی بڑی لغزشوں اور غلطیوں سے محفوظ رکھنے والے علم کے بارے میں وہ کتنے کم مایہ ہیں، اس علم سے مراد علم مصطلح الحدیث یا علم اسماء الرجال ہے۔

اس لئے صحابہ کرام کی عدالت پر گفتگو کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل اہم امور پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

۱۔ لفظ "صحابہ" کی تعریف

۲۔ کیا منافقین کا تعلق "صحابہ" سے تھا یا کیا صحابہ میں بھی منافقین تھے (نعوذ باللہ)؟

۳۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہونے والوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن پر صحابہ کا اطلاق ہوتا ہو؟

۴۔ ان صحابہ کے بارے میں اہل بیت کے اقوال کیا ہیں؟

۵۔ اگر اللہ ان سے راضی ہو چکا تھا اس کے باوجود ان کے مابین اختلاف کیوں ہوا؟

۶۔ صحابہ کرام سے اہل بیت کی نزدیکی اور دوری کے دلائل کیا ہیں؟

یہ اور اس قسم کے اور بھی بہت سے سوالات اور شبہات ہیں جن کا جواب خاص طور پر آئندہ آنے والے ان صفحات میں ملے گا جن میں صحابہ کرام کی عدالت و مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں ثقلین (کتاب اللہ اور اہل بیت) کی شہادتیں اور اقوال پیش کئے گئے ہیں، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ترتیب سے ان مباحث پر بحث کی گئی ہے:

باب(۱): لفظ صحابی کی تعریف، لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے

باب(۲): صحابہ کرام کے بارے میں ثقلین (کتاب اللہ اور اہل بیت) کی مدح وثنا خوانی

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں کتاب اللہ اور اہل بیت کی ثنا خوانی

☆ خلفائے راشدین کے بارے میں ثنا خوانی

☆ مہاجرین وانصار کے بارے میں ثنا خوانی

☆ اہل بدر کے بارے میں ثنا خوانی

☆ فتح مکہ سے پہلے اور بعد میں انفاق اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے بارے میں ثنا خوانی

باب(۳): صحابہ کے مابین اختلاف کے ظہور کے اسباب، اور سب سے پہلا فتنہ پرور شخص

باب(۴): اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش

باب(۵): صحابہ کرام کے بارے میں صحیح ترین موقف

باب(۶): صحابہ کرام اور اہل بیت کے مابین قرابت ورشتہ داری

باب(۷): بعض شبہات واعتراضات اور ان کے جوابات

خاتمہ: اس میں ان تمام مسائل سے بحث کی گئی ہے جو ایک مسلمان کے ذہن میں اس وقت ابھرتے ہیں جب وہ صحابہ کرام کے بارے میں غلط قسم کے بے بنیاد غلط دعوے اور شبہات سنتا ہے، اس کتاب میں ان تمام مسائل کے بارے میں بحث کی گئی ہے تاکہ ہر شخص

کو اطمینان قلب حاصل ہو۔

ہر وقت اور مختلف جگہوں پر کئے جانے والے بہت سے شبہات واعتراضات کی وجہ سے اس موضوع سے متعلق بہت سے کئے جانے والے خیالات اور سوالات ذہن میں گردش کرنے لگتے ہیں، امید ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اس میں ان تمام سوالات اور اعتراضات کی حقیقت، ان کے جوابات مل جائیں گے اور بعض لوگ جس غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں ان کو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں مدد ملے گی، اللہ ہی حق کی توفیق مرحمت فرمانے والا ہے اس لئے اسی سے ہم توفیق کے طلب گار ہیں۔

پہلا باب

لفظ "صحابہ" کی تعریف

صحابہ کرام کی عدالت پر دلالت کرنے والے دلائل کو بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ لفظ "صحابہ" کے مفہوم کو واضح کیا جائے، اس لئے کہ اس لفظ کے مفہوم، اس کے عموم و اطلاق کی تعیین کے ذریعہ بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے۔

اس لئے اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی دونوں قسم کے مفاہیم کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ لفظ "صحابی" کا لغوی مفہوم:

صحابی: صاحب کی جانب نسبت کرتے ہوئے صحابی کہا جاتا ہے، اس کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے، البتہ ان سب کے اندر ملازمت (ساتھ رہنے) اور انقیاد و اطاعت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔(۱)

لغوی اعتبار سے لفظ "صحبت" کے مختلف استعمالات کو بیان کرنے سے پہلے اس بات کی جانب متوجہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے تمام استعمالات اصطلاحی تعریف کے تحت نہیں آتے ہیں، بلکہ یہ صرف لغوی تعریف کے تحت آتے ہیں جن کو متعین حدود و قیود کے ساتھ منضبط نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے مندرجہ ذیل سطور میں اس لفظ کے بعض لغوی مفاہیم کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ جب اس لفظ کو مطلقاً استعمال کیا جائے تو اصطلاحی

(۱) لسان العرب ۱/۵۱۹

مفہوم ہی مراد لیا جا سکے، اس لفظ کے مختلف لغوی مفاہیم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صحبت مجازی: اس کا اطلاق ایسے دو لوگوں پر ہوتا ہے جن کے اندر کوئی مشترک صفت پائی جاتی ہو، اگرچہ ان دونوں کے درمیان زمانہ کا کافی فرق ہو، مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات سے یہ کہنا: "إنكن صواحب يوسف "۔(۱) یعنی: تم تو یوسفؑ کو فتنہ میں مبتلا کرنے والی زلیخا کی سہیلیوں کی طرح ہو۔

۲۔ صحبت اضافی: یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ کسی کو اس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کی جانب منسوب کیا جائے مثلاً کہا جاتا ہے: صاحب مال، صاحب علم...... وغیرہ۔

۳۔ کسی ذمہ داری یا عہدہ سے متعلق صحبت: مثلاً قرآن پاک میں منقول ہے:

"وما جعلنا أصحاب النار إلا ملائكة " (مدثر:۳۱)

ترجمہ: "ہم نے دوزخ کے پیکار کن فرشتے بنا سئے ہیں"۔

۴۔ صحبت ملاقات: دو لوگوں کے درمیان ہونے والی ملاقات کے لئے بھی صحبت کا اطلاق ہوتا ہے، اگرچہ ایک ہی مرتبہ کسی بھی وجہ سے ملاقات ہوئی ہو اور پھر انقطاع ہو گیا ہو مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"البیعان بالخیار مالم یفترقا أو یقول أحدھما لصاحبه: اختر......" (۲) یعنی: بائع اور مشتری دونوں کو اس وقت تک (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں، یا ان میں سے ایک اپنے صاحب (ساتھی) سے کہے اختیاب کراو......" (الحدیث)

(۱) بحار الانوار: ۲۸/۱۳۷ (۲) مستدرک الوسائل ۱۳/۲۹۹

اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتری (خریدنے والے) کو "صاحب" کہا ہے، حالانکہ بائع سے اس کی ملاقات سامان خریدتے وقت صرف ایک مرتبہ ہوئی۔

۵۔ صحبت مجاورت: اس کا اطلاق مومن و کافر پر بھی ہوسکتا ہے قرآن پاک کی اس آیت میں صاحب سے یہی مفہوم مراد ہے، ارشاد فرمایا گیا ہے: "قال له صاحبه وهو يحاوره ، أكفرت بالذي خلقك من تراب ثم من نطفة ثم سواك رجلا " (الکہف:۳۷)

ترجمہ: "اس کے ہمسایہ نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا: کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا"۔

اسی طرح دوسری آیت: "فقال لصاحبه وهو يحاوره أنا أكثر منك مالا وأعز نفرا"۔ (الکہف:۳۴)

ترجمہ: "وہ اپنے ہمسایہ سے بات کرتے ہوئے بولا: میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور تم سے زیادہ طاقتور نفری رکھتا ہوں"۔

اسی طرح صاحب کا اطلاق ایسے شخص پر بھی ہوسکتا ہے جس کو انسان نہ جانتا ہو اور نہ ہی اس سے کبھی ملاقات ہوئی ہو، جیسے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انصار کے ان دو بچوں سے کہا تھا جو غزوۂ بدر میں ابوجہل کو تلاش کر رہے تھے تاکہ اس کو قتل کریں کیونکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا تھا: ان دونوں سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا تھا: "هذا صاحبكما الذي تسألان عنه " (یعنی یہی تمہارے وہ صاحب ہیں جن کے بارے میں تم دونوں پوچھ رہے تھے۔)(۱)

(۱) بحار الانوار:۱۹/ ۳۳۷

مذکورہ بالا تفصیلات کے مطابق صحبت کے لغوی مفہوم کو بالکل عام نہیں رکھا جائے گا، اس لئے کہ اگر "صحابی" کی تعریف لغوی مفہوم کے اعتبار سے مذکورہ مفہوم کے مطابق کی جائے گی تو پھر سب ہم بھی صحابہ کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے بلکہ یہود، منافقین، نصاریٰ، مشرکین جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے وہ بدرجہ اولیٰ اس فہرست میں شامل ہونے چاہئیں، کیونکہ لغوی مفہوم کے اعتبار سے لفظ صحابی میں استمرار کے ساتھ ملاقات یا ایمان باللہ اور اسی پر وفات کی شرط نہیں پائی جاتی ہے۔

تنبیہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول نے جب متکبرانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اس کی گردن تن سے جدا کرنے کی اجازت دے دیجئے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا: "دعه ، لا يتحدث الناس ان محمد يقتل أصحابه " (یعنی: اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، کہیں لوگ یہ باتیں نہ شروع کریں کہ محمد اپنے ہی اصحاب کو قتل کر رہے ہیں"۔(۱)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کے لئے صحابیت کا وصف بیان فرمایا، لیکن آپؐ نے اصطلاحی مفہوم کے بجائے لغوی مفہوم مراد لیا ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت و حکمت اور عربوں کے ہاں متعارف لغت سے واقفیت کی ایک اہم دلیل

(۱) شرح اصول الکافی/ مولی محمد سالم مازندرانی:۱۲/ ۱۴۷) مزید دیکھئے: الصحیح من السیرۃ/ سید جعفر مرتضیٰ ۲/ ۱۹۳

ہے لغوی مفہوم ہی مراد لینے میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا ہے، اور ایسا دو امور کی بنیاد پر ہے:

۱- لغوی مفہوم کے ذریعہ ایمان ونفاق کے درمیان تفریق وامتیاز کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی متعین ضابطہ اور اصول نہیں ہے۔

۲- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کرنے کی وجہ یہ بتائی "حتی لا یتحدث الناس" (تا کہ لوگ باتیں نہ شروع کردیں) الناس (لوگوں) سے یہاں پر صحابہ کے مقابلہ میں پایا جانے والا گروہ مراد ہے، اس لئے کہ قرآن پاک میں جب اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے تو "یا ایھا الذین آمنوا" کے ذریعہ ان کو مخاطب کیا گیا ہے اور جب کفار یا عام لوگوں (مؤمن وکافر) کو مخاطب کیا گیا ہے تو "یا ایھا الناس" کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ کفار سب سے زیادہ عداوت ودشمنی رکھنے والے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی عداوت پر طعن وتشنیع کرنے کے حریص رہتے تھے، لہذا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی بن سلول کو قتل کرنے کا حکم دے دیتے تو کفار یہ نہیں کہتے کہ آپؐ نے ایک ایسے منافق کو قتل کیا جو قتل کا مستحق تھا بلکہ یہ کہا جاتا کہ "محمد اپنے اصحاب کو قتل کررہے ہیں"۔ یہ خبر پورے عرب میں پھیل جاتی اور کفار کا مقصود ومطلوب حاصل ہوجاتا، یعنی لوگوں کو اس دعوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھنے کا مقصد حاصل ہوجاتا۔ لفظ صحابی کے اس لغوی مفہوم کا سمجھنا کفار اور منافقین کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، چہ جائے کہ مسلمانوں کے لئے، اس لئے کہ وہ اہل زبان، اس کے ماہرین اور اس کے پیچ وخم سے واقف تھے، جو بھی انہی کے فہم کی اقتدا کرے گا اور ان کے نقش قدم پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہت سے مشکل اور مبہم امور میں فہم صحیح اور عمدہ رائے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

"صحابی" کی اصطلاحی تعریف

"صحابی" کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں مختلف تعریفی عبارتیں منقول ہیں، ان میں سب سے دقیق ترین، واضح ترین اور جامع ترین تعریف یہ ہے: "من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنا بہ ومات علی الاسلام"۔ یعنی: وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام کی حالت میں اسکی وفات ہوئی ہو۔

شہید ثانی (علامہ زین الدین بن نور الدین عاملی جبعی (ت: ۹۶۵ھ) نے یہ تعریف کی ہے: "صحابی: جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ پر ایمان رکھتے ہوئے ملاقات کی ہو اور اسلام کی حالت میں اس کی وفات ہوئی ہو، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کرنے اور اسلام کی حالت میں وفات پانے کے درمیان ارتداد پایا جائے، صحیح قول یہی ہے، ملاقات میں اس قدر عمومیت پائی جاتی ہے کہ اس میں ایک ساتھ بیٹھنا، چلنا، ایک کا دوسرے کے پاس پہنچنا اگرچہ اس سے بات نہ کی ہو یا اس کو دیکھا نہ ہو، یہ سب مراد ہیں۔" (الرعایۃ، ص: ۳۳۹)

سابقہ تعریف کی وضاحت

☆ "جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو" یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، چاہے آپ کو دیکھا ہو، یا آپ کو دیکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو جیسے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم، کیونکہ وہ نابینا تھے، آپؐ سے انہوں نے ملاقات کی اور آپ کو نہیں دیکھا۔

اور اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمان ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدفین سے پہلے دیکھا تو ایسے شخص کو صحابی نہیں کہا جائے گا۔

☆ "ایمان کی حالت میں" یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن پر ایمان لانا شرط ہے، لہذا اہل کتاب یا منافقین میں سے اگر کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت کفر میں ملاقات کی ہو، چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے اسلام قبول کیا ہو یا نہیں تو ایسا شخص صحابی نہیں کہلائے گا۔

☆ "اسلام کی حالت میں اس کی وفات ہوئی ہو" یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو ارتداد کی حالت میں مرا ہو تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ صحابی ہے، اس کو یہ مقام بلند نہیں حاصل ہوگا۔

خلاصۂ کلام

زبان اور زبان کی جملہ اصطلاحات کے ساتھ تعامل کیسا ہونا چاہیے، سابقہ تفصیل سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، اس طور پر کہ شرعی اصطلاحات کو ماہرین فن کے فہم کے مطابق تفسیر بالرائے اور خواہش نفس سے بچتے ہوئے بیان کیا جائے، فہم صحیح کے اسی بنیادی پہلو کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کو مدخل اساسی کی حیثیت سے اصل موضوع سے پہلے بیان کیا ہے، اصل موضوع: "اولیاء الرحمن کے بارے میں ثقلین (قرآن اور اہل بیت) کی ثنا خوانی" ہے۔

دوسرا باب

صحابہؓ کے بارے میں قرآن اور اہل بیتؑ کی ثنا خوانی

ہر مسلمان کے لئے اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا مقام و مرتبہ نہایت بلند ہے، وہ امتوں میں سب سے افضل تھے اور سب سے بہترین زمانہ انہی کا زمانہ ہے، ایسا اس لئے ہے کیونکہ وہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں، خاتم الانبیاء اور سید المرسلین کی صحبت، آپ کے ساتھ جہاد کرنے، شریعت مطہرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کا شرف ان کو حاصل ہے۔

اسی طرح اس بات کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب فضل و مقام میں سب یکساں اور ایک ہی درجہ کے نہیں ہیں، بلکہ اسلام میں سبقت اور جہاد و ہجرت کی وجہ سے ان کے مراتب مختلف ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے تئیں جو قربانیاں انہوں نے پیش کیں ان کے اعتبار سے ان میں فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مہاجرین کا مقام انصار سے بلند، اہل بدر کا مقام اہل بیعت الرضوان سے بلند اور فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا مقام دوسروں سے زیادہ بلند ہے، کیونکہ کتاب اللہ اور اہل بیت سے اسی طرح کی تفصیلات منقول ہیں، (ثقلین) کتاب اللہ اور اہل بیت سے محبت رکھنے کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے۔

کتاب اللہ اور اہل بیت نے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ ساتھ ان کی عدالت کی بھی گواہی دی ہے، ان کی تعریف وثنا خوانی کے سلسلہ میں تواتر کے ساتھ روایات موجود ہیں، کیونکہ انہوں نے نہایت عمدہ کام انجام دیے اور اقوال میں بھی وہ سب سے فائق تھے۔

اسی ثنا خوانی اور تعریف وتوصیف کو بیان کرنا ہمارا اصل موضوع بحث ہے، مندرجہ ذیل ترتیب سے اس کو بیان کیا جائے گا:

۱- صحابہ کرام کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثنا خوانی۔
۲- خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثنا خوانی
۳- مہاجرین وانصار کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثنا خوانی۔
۴- اہل بدر کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثنا خوانی۔
۵- فتح مکہ سے پہلے انفاق کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کے بارے میں کتاب اللہ اور اہل بیت کی ثنا خوانی۔

۱- صحابہ کرام کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثنا خوانی

ایک دانا مسلمان جب قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں غور وفکر اور تدبر کرتا ہے اس کو بہت سی آیات کریمہ ایسی ملیں گی جن میں صحابہ کرام کے فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں، اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کا انتخاب فرمایا ان کو چنا، ان کی عدالت کی گواہی دی، ان کا تزکیہ فرمایا، اور قبولیت کے جملہ اوصاف ان کے حق میں بیان کیے۔

کتاب اللہ میں صحابہ کرام کی ثنا خوانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ **محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من أثر السجود، ذلك مثلهم في التوراة ومثلهم في الإنجيل كزرع أخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة وأجرا عظيما** ﴾ (الفتح:۲۹)

ترجمہ: ’’محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم جب دیکھو گے انہیں رکوع وسجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے، سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں، یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں، اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر

اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں، اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔''

شیخ محمد باقر ناصری اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''محمد رسول اللہ .... یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا ''

یعنی: اس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ سیماھم ..... ''یعنی: بروز قیامت ان کے علامت یہ ہے کہ ان کے سجدے کی جگہیں سب سے زیادہ نورانی ہوں گی، ذلک مثلھم ...... یعنی: جو صفات یہاں ان کی بیان کی گئی ہیں عین یہی صفات تورات اور اسی طرح انجیل میں بھی بیان کی گئی ہیں اخرج شطئہ فآزرہ ...... یعنی وہ مضبوط ہوا اور یہ اس کے مضبوط ہونے میں معاون بنا جس کی وجہ سے تناور ہوا اور اپنی جڑوں پر کھڑا ہوا اور کمال تک پہونچ گیا۔ واحدی فرماتے ہیں: یہ مثال اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے بارے میں بیان کی ہے، کھیتی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور کونپل سے آپ کے صحابہ اور مومنین مراد ہیں، وہ ابتدائی زمانہ میں کمزور اور کم تعداد میں تھے جیسے کہ شروع میں کھیتی کا حال ہوتا، اس کے بعد وہ ایک دوسرے کے ذریعہ مضبوط و مستحکم ہوئے۔ لیغیظ بھم الکفار .... یعنی: مومنین کی کثرت اور ان کا اتفاق ان کے لئے باعث غیظ و غضب بنا ہے''۔(۱)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿والسابقون الأولون من المھاجرین

(۱) تفسیر مختصر مجمع البیان، مزید دیکھئے: جامع الجوامع من وحی القرآن، سورۃ الفتح: ۲۹

والأنصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ﴾ (التوبہ: ۱۰۰) ترجمہ: ''وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔''

شیخ امین الدین ابوعلی طبرسی فرماتے ہیں:

مذکورہ آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے قبلتین (دو قبلوں (مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام) کی جانب نماز ادا کی، یہ بھی کہا گیا ہے: وہ لوگ مراد ہیں جو بدر میں شریک رہے، اور ''الانصار'' سے: اہل عقبۂ اولیٰ (جن کی تعداد بارہ تھی) اور اہل عقبۂ ثانیہ (جن کی تعداد ستر تھی) اور وہ لوگ مراد ہیں کہ جب حضرت مصعب بن عمیر مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہوں نے ان کو قرآن کی تعلیم دی۔(۱)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

فتنہ پرور اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کے ایک گروہ نے اس آیت کی صحیح اور واضح تفسیر کرنے کے بجائے اس کی غلط تاویل و تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اس میں صحابہ کی تعریف و ثنا خوانی کی گئی ہے، لیکن وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس آیت میں عام صحابہ کی تعریف نہیں کی گئی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ''وعد اللہ ......'' یعنی: اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے''۔

(۱) تفسیر جامع الجوامع، مزید دیکھئے: تفسیر من وحی القرآن، العیاشی (التوبہ: ۱۰۰)

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "والسابقون ......" یعنی: "وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی"۔ لہذا منهم (ان میں سے) اور "من" کے الفاظ دونوں آیتوں میں استعمال کئے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض نہ کہ تمام صحابہ مراد ہیں۔

اس اعتراض کے جواب اور صحیح فہم کے لئے مندرجہ ذیل امور بیان کئے جا رہے ہیں، جو قابل غور ہیں:

۱- اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن پاک میں آیات محکمات یعنی صریح آیات بیان فرمائی ہیں جن میں غلط تاویل و تفسیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جو بھی ان کی غلط تاویل کرنے کی کوشش کرے گا، اس کا یہ عمل ظاہر ہو جائے گا اور اس کا پاگل پن منکشف ہو جائے گا۔

جب کہ بعض آیات متشابہ ہیں، یعنی: ایسی آیات جن کو سمجھنے میں بہت سے لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے، لہذا اس سلسلہ میں اہم اصول یہ ہے کہ متشابہ آیات کو محکم آیات کی روشنی میں سمجھا جائے، جو بھی ایسا کرے گا، وہ ہدایت پا جائے گا اور جو اس کے برعکس کرے گا وہ معاملہ کو الٹ دے گا۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں "منهم" (ان میں سے) اور "من" تبعیض (بعض افراد کے لئے) نہیں ہے جیسے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ ان دونوں آیتوں میں دو معانی میں سے ایک معنی مراد ہیں:

۱- پہلے معنی یہ ہیں کہ من یہاں پر جنسیہ (جنس بتانے کے لئے) ہے، یعنی جو ان کی جنس سے ہوگا، جیسے کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ذلك ومن يعظم حرمات الله فهو خير له عند ربه ، وأحلت لكم الأنعام إلا ما

يتلى عليكم فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور﴾ (الحج: ۳۰) ترجمہ: "یہ تھا (تعمیر کعبہ کا مقصد) اور جو بھی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لئے بہتر ہے، اور تمہارے لئے مویشی جانور حلال کئے گئے، ماسوا ان چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہے، پس بتوں کی گندگی سے بچو، جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو"۔

۲- دوسرے معنی یہ ہیں کہ "من" یہاں پر تاکید اور جنس کے لئے ہے:

جیسے کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين إلا خسارا﴾ (الاسراء: ۹۲) یعنی: "ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے لئے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا"۔

کیا کوئی عقلمند اور دانا مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو اس آیت کا مطلب یہ سمجھے کہ بعض قرآن تو باعث شفا اور رحمت ہے اور بعض ایسا نہیں ہے؟

ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اس آیت سے یہی سمجھتا ہے کہ قرآن پورے کا پورا شفاء اور رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس بات کو تاکیداً بیان فرمایا ہے کہ قرآن پورے کا پورا باعث شفا اور رحمت ہے۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ پہلی آیت ﴿محمد رسول الله ......﴾ میں تمام صحابہ کی مدح و تعریف اور ثنا کی گئی ہے، اس میں کسی کی مذمت تو بیان نہیں کی گئی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے سجود و رکوع اور اس کے لئے عاجزی و انکساری اختیار کرنے کے ذریعہ ان کے ظاہر کا تزکیہ فرمایا ہے، اور اپنی اس قول ﴿يبتغون فضلا من الله

ورضوا انابھ کے ذریعہ ان کے باطن کا تزکیہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی مذمت بیان کرنا چاہتا ہے تو ان کے ظاہر و باطن کو بیان فرماتا ہے جیسے کہ منافقین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إن المنافقين يخادعون الله وهو خادعهم وإذا قاموا إلى الصلاة قاموا كسالى يراؤن الناس ولا يذكرون الله إلا قليلا﴾ (النساء:۱۴۲)

ترجمہ: ”منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جب یہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں“۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں ”من“ جنس یا تاکید کے لئے ہے، تبعیض کے لئے کسی بھی صورت میں نہیں ہو سکتا ہے۔

صحابۂ کرام کے بارے میں اہل بیت کی تعریف وثناخوانی

قرآن کریم میں اس عظیم الشان تعریف وتوصیف اور ثناخوانی کی وجہ سے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بشارت وخوشخبری سنائی جس نے صحابۂ کرام سے ملاقات کی، یا ان میں سے کسی کو دیکھا ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "طوبى لمن رآني وطوبى لمن رأى من رآني وطوبى لمن رأى من رأى من رآني" یعنی: خوشخبری ہے ایسے شخص کے لئے جس نے مجھے (صحابی) دیکھا، اور خوش خبری ہے ایسے شخص کے لئے جس نے اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا (تابعی)، اور خوشخبری ہے ایسے شخص کے لئے جس نے اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا (تبع تابعی)“۔(۱)

اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے درجات مزید بلند فرمائے، وہ اپنے ساتھ رہنے والے اصحاب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، جب انہوں نے اہل کوفہ کا تجربہ کیا اور دیکھا کہ انہوں نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو یاد کرتے ہوئے اور ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ”بلا شبہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے مشابہ ہو، وہ سب پراگندہ بال اور پراگندہ حال ہونے کی حالت میں دن گذارتے جب کہ قیام وسجود کی حالت میں رات گذر چکی ہوتی تھی، پیشانیوں کے بل سجدہ

---

(۱) أمالی الصدوق: (ص ۴۰۰) أمالی الطوسی: ص ۴۴۰، الخصال: ۲/۳۴۲، بحارالانوار: ۲۲/۳۰۵)

ریز رہتے تھے، آخرت کے استحضار کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ وہ آگ کے انگارے پر ہوں، کثرت سجود کی وجہ سے ایسا لگتا تھا گویا کہ ان کی پیشانیوں میں کوئی سخت چیز جوڑ دی گئی ہو جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کے سینے بھی تر ہو جاتے اور عاجزی وانکساری کی وجہ سے ایسے ہو جاتے جیسے کہ سخت آندھی میں کسی درخت کی حالت ہوتی ہے اور ایسا سزا کے خوف اور ثواب کی امید ورجائیں ہوتا تھا"۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا اور اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اور دشمنوں کے سامنے ان سب کی جوانمردی اور پامردی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو اپنے (کافر) آباء کو، بیٹوں کو، بھائیوں کو اور اپنے چچاؤں کو قتل کرتے تھے، اس کے ذریعہ ہمارے ایمان اور تسلیم ورضا میں اضافہ ہوتا تھا، مجاہدہ کی قوت بڑھ جاتی تھی، تکلیف وپریشانی برداشت کرنے کا حوصلہ بڑھتا تھا اور دشمن کو زیر کرنے کا جذبہ دوبالا ہو جاتا تھا، ہم اور ہمارے دشمنوں کے دو لوگ ایک دوسرے پر شیروں کی طرح حملہ کرتے تھے، ان میں سے ہر ایک موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ ان میں سے کون دوسرے کو موت کا جام پلادے، کبھی ہم دشمن کو نقصان پہنچاتے تھے اور کبھی وہ ہم سے بدلہ لیتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے صدق وصفا کو جانچ لیا تو دشمن کو رسوا کیا اور ہمیں اپنی مدد سے نوازا، یہاں تک کہ اسلام چہار دانگ عالم میں مضبوط اور مستحکم ہو گیا اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کرلیں، اللہ کی قسم! اگر ہم بھی وہی کام کرتے جو تم لوگ

(۱) نہج البلاغہ، ص ۱۴۳، مزید دیکھئے: الکافی ۲/۲۳۶، بحار الانوار ۶۹/۳۰۷

کر رہے ہو تو دین کو استحکام نصیب نہیں ہو پاتا اور نہ ہی ایمان کی باد بہاری چلتی، اللہ کی قسم! آپ کو (اپنے اعمال کے نتیجے میں) خون کے آنسو بہانے پڑیں گے اور ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا"۔(۱)

اسی خوبصورت انداز میں اور بہترین طریقہ پر تمام اہل بیت اپنے جد امجد امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب (علیہ السلام) کے رفقاء کی تعریف وتوصیف کرتے رہے۔

امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام نماز میں اپنے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اے اللہ! اصحاب محمد پر خاص طور پر رحم فرما، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت اچھی طرح ساتھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے میں بہترین کردار ادا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور آپ کی مدد لینے کے لیے تیزی سے لپکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کی دلیل ان کے سامنے واضح کر دی انہوں نے آپ کی بات کو قبول کر لی، اسلام کا کلمہ بلند کرنے کے لئے انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو داغ مفارقت دے دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آباء وابناء سے جنگ کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے ذریعہ ان کو فتح وغلبہ حاصل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ومودت کی

(۱) نہج البلاغہ، ص ۹۱، بحار الانوار: ۳۴/۲۹۵

وجہ سے وہ ختم ہونے والی تجارت کے امیدوار بنے، ان کو ان کے قبیلہ والوں نے اس وقت چھوڑ دیا جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے تو تمام قرابتیں اور رشتہ داریاں چھوٹ گئیں، لہذا اے اللہ! ان کو آپ کے لئے اور آپ کے راستے میں جو چیزیں ترک کرنی پڑیں، اس کو مت بھولنا، اے اللہ! ان کو اپنی رضا کے ذریعہ راضی کر دے، انہوں نے تیرے لئے مخلوق سے جنگ مول لی، تیرے رسول کے ساتھ یہ آپ کے لئے آپ کی طرف بلانے والے تھے، انہوں نے اپنی قوم کے علاقوں کو آپ کے لئے چھوڑ دیا، خوشحالی سے نکل کر تنگدستی کو ترجیح دی، اے اللہ! اس کو ان کے حق میں قبول فرما، اے اللہ! ان سب کی احسان کے ساتھ اتباع کرنے والوں کو بہترین جزا عطا فرما، جو کہتے رہتے ہیں: اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت کر گئے (الحشر:۱۰) جو انہی کے نقش قدم پر چلے، انہی کا انہوں نے رخ کیا اور انہی کے طریقہ پر چلتے رہے، شک اور تذبذب ان کی بصیرت کو نہ روک سکا، اور ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے منارۂ نور کی طرف چلنے میں ان کے اندر کوئی خلجان پیدا نہیں ہوا، ان کی نصرت و مدد کرتے رہے، انہی کے دین کو اختیار کیا، انہی کے راستے پر چلے، ان سب کے (مقام بلند) کے بارے میں ان سب کا اتفاق ہے، اور انہوں نے جو کچھ ان تک پہنچایا اس کے بارے میں ان پر کوئی الزام نہیں لگاتے ہیں، اے اللہ! قیامت تک ان کی اتباع کرنے والوں پر رحم فرما، ان کی ازواج پر، ان کی اولاد پر، اور ان سب پر جو تیری اطاعت کرتے ہیں، ایسی رحمت جو ان کے لئے تیری معصیت و نافرمانی سے بچنے کا سبب بنے، جنت کے باغیچوں میں ان کے لئے کشادگی کا باعث بنے اور ان کو شیطان کی چالوں سے محفوظ رکھے"۔ (الصحیفۃ السجادیہ، ص:۴۲)

امام صادق اپنے آباء سے اور وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں تم کو تمہارے نبی کے اصحاب کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، ان کو گالی مت دینا، انہوں نے آپؐ کے بعد کوئی نئی بات نہیں پیدا کی، اور نہ ہی کسی نئی بات کو قبول کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی ہے"۔(۱)

یہ ایک معروف و معلوم بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام اہل زمین کے لئے باعث خیر ہے، اسی طرح آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ بھی، کیونکہ وہ بھی نہایت عظمت والے اور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں اہتمام والتزام کرنے کی وجہ سے مقام بلند کے حامل تھے، اسی لئے اللہ تعالی نے امت کے حق میں ان کی دعا کو بھی شرف قبولیت عطا فرمایا۔

حضرت موسی بن جعفر علیہ السلام سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں اپنے اصحاب کے لئے باعث امن و حفاظت ہوں، جب میری روح قبض کی جائے گی تو وہ چیز میرے اصحاب کے قریب آ جائے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے اصحاب میری امت کے حق میں باعث امن و حفاظت ہیں، جب میرے اصحاب اٹھا لئے جائیں گے تو وہ ہر چیز میری امت کے قریب آ جائے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ دین اس وقت تک تمام ادیان پر غالب رہے گا جب تک میرا دیدار کرنے والے لوگ تمہارے درمیان موجود ہیں گے"۔(۲)

موسی بن جعفر علیہ السلام اپنے آباء (علیہم السلام) سے نقل کرتے ہوئے

---

(۱) بحار الانوار: ۲۲/ ۳۰۵ (۲) بحار الانوار: ۲۲/ ۳۰۹، اور دیکھئے: نوادر الراوندی ص:۲۳

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین صدیاں تو چار ہیں، میں ان میں سے افضل ترین صدی میں ہوں، اس کے بعد دوسری اور پھر تیسری صدی، پھر جب چوتھی صدی ہوگی تو مرد مردوں کے ساتھ مل جائیں گے اور عورتیں عورتوں کے ساتھ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ بنی آدم کے دلوں سے اپنی کتاب اٹھالے گا، اور ایک گھٹا ٹوپ ہوا چلائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بچے گا، اللہ تعالیٰ سب کو اپنی طرف بلالے گا''۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد آپ کا خلیفہ بننے والے کے لئے خیر اور رحمت کی دعا فرمائی، اپنی طرف سے کسی کو امامت کے لئے متعین کئے بغیر، آپؐ نے آپؐ کے جانشین بننے والے کی صفت یہ بتائی کہ وہ آپؐ کے راستہ پر چلے گا تاکہ اس کے ذریعہ صحابہ کرام کے منتخب کردہ شخص کے بارے میں ان کا اتفاق واجماع ثابت ہو۔

امام رضا علیہ السلام سے اپنے آباء کے واسطے منقول ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! میرے خلفاء (جانشینوں) پر رحم فرما، آپؐ نے تین مرتبہ یہی دعا فرمائی، آپؐ سے دریافت کیا گیا: آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث وسنن کو بیان کریں گے اور میرے بعد لوگوں تک ان کو پہنچائیں گے''۔(۲)

صحابہ کرام کے اسی عظیم الشان مقام ومرتبہ کی وجہ سے اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے صحابہ کے اس گروہ کو دیکھنے کی تمنا کی جنہوں نے اس عظیم فضل وکمال کو حاصل کیا۔

---

(۱) بحارالانوار: ۲۲/۳۰۹ (۲) بحارالانوار: ۲/۱۴۴

امام رضا -علیہ السلام- سے منقول ہے فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمرانؑ کو مبعوث فرمایا اور ان کو ہمکلامی کے لئے منتخب فرمایا: ان کے لئے سمندر میں راستہ بنا کر بنی اسرائیل کو نجات دی اور ان کو تورات عطا کی تو ان کو اللہ کے نزدیک اپنے مقام ومرتبہ کا احساس ہوا، چنانچہ انہوں نے کہا: اے میرے رب: اگر آل محمد کا مقام ومرتبہ یہ ہے تو کیا انبیاء کے صحابہ میں آپ کے نزدیک میرے صحابہ سے زیادہ اور دوسرے صحابہ مقرب ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: اے موسیٰ! کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مقام ومرتبہ تمام انبیاء کے اصحاب کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے کہ آل محمد کی فضیلت تمام انبیاء کے گھر والوں پر اور محمدؐ کی فضیلت تمام انبیاء پر ہے، موسیٰؑ نے کہا: اے میرے رب! کاش میں ان کو دیکھ لیتا! اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی: اے موسیٰ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ہو، یہ ان کے ظہور کا وقت نہیں ہے، البتہ جنت عدن اور جنت فردوس میں ان کو محمدؐ کے ساتھ دیکھو گے، جب کہ وہ جنت کی نعمتوں میں مزے کر رہے ہوں گے اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے''۔(۱)

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی پوچھنے والا سوال کرے: اہل بیت کے ذریعہ اتنی تعریف وثنا صحابہ کرام کی کیونکر کی گئی اور اتنے بلند مراتب ان کو کیسے حاصل ہوئے؟

اس سوال کا جواب ان بہت سی روایات میں موجود ہے جو اہل بیت ہی سے منقول ہیں، جن سے صحابۂ کرام کے اخلاق وآداب اور ان کے دلوں میں نبی کریم صلی

---

(۱) بحارالانوار: ۱۳/۳۴۰؛ تفسیر امام العسکری ص: ۳۱؛ تاویل الآیات ص: ۲۱۱

اللہ علیہ وسلم کی توقیر وعزت کا بھی پتہ چلتا ہے اور آپ سے بہت زیادہ محبت کرنے پر بھی دلالت کرتی ہیں: مثلاً:

علامہ مجلسی نے "بحار" میں قاضی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کے سلسلہ میں صحابہ کا طرز عمل حضرت اسامہ بن شریک کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ کے اصحاب آپؐ کے اردگرد ایسے جمع تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہوں"۔(۱)

حضرت عروہ بن مسعود کو جب قریش کے لوگوں نے حدیبیہ کے سال محمدؐ کے پاس بھیجا تو انہوں نے صحابہ کرام کو محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ جب آپؐ وضو کرتے تھے تو آپؐ کے وضو کے پانی پر وہ لپکتے اور ٹوٹ پڑتے تھے اور آپؐ کے لعاب دہن کو اپنے ہاتھوں کے ذریعہ لیتے اور اپنے چہروں اور جسم پر اس کو ملتے، کوئی بھی بال زمین پر نہیں گرنے پاتا تھا اس کو پہلے ہی لے لیتے تھے، اور جب ان کو کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، اور جب آپؐ گفتگو فرماتے تو ان پر خاموشی چھا جاتی اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپؐ سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کرتے تھے، جب یہ (عروہ بن مسعود) قریش کے پاس واپس آئے تو ان سے کہا: اے قریش کے لوگو! میں کسریٰ کے دربار میں گیا ہوں، قیصر کے دربار میں بھی گیا ہوں اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں، خدا کی قسم! میں نے کبھی کسی بادشاہ کو اس کے اصحاب کے درمیان اس طرح نہیں دیکھا ہے جس طرح کہ محمد کو ان کے اصحاب کے ساتھ دیکھا ہے"(۲)

---

(۱) بحار الانوار ۱۷/۳۲ (۲) (بحار الانوار ۱۷/۳۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا جب کہ حلاق آپ کے بال کاٹ رہا تھا، تمام صحابہ آپؐ کے چاروں طرف تھے، آپ کا ہر بال کسی شخص کے ہاتھ میں ہی گرتا تھا"۔(۱)

ایک دوسری روایت میں ہے: "میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکڑوں بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ کے رعب اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے میں کانپنے لگا"۔(۲)

حضرت مغیرہؓ کی روایت کردہ حدیث میں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کا دروازہ ناخنوں کے ذریعہ کھٹکھٹاتے تھے"۔(۳)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا تو آپ کے رعب کی وجہ سے میں کئی سال تک اس کو ٹالتا رہتا تھا...... (اس کے بعد فرماتے ہیں:) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا احترام اور آپ کی توقیر وتعظیم ویسے ہی ضروری ہے جیسے کہ آپ کی حیات میں ضروری تھی، آپ کا ذکر آنے کے وقت، آپ کی احادیث وسنن کے تذکرہ کے وقت، آپ کی سیرت سنتے وقت اور آپ کی آل وخاندان کے ساتھ معاملہ کرنے کے وقت، اسی طرح آپ کے اہل بیت اور آپ کے صحابہ کی تعظیم بھی ضروری ہے"۔(۴)

قارئین کرام! کیا اس طرح کے ادب وتوقیر کے بارے میں آپ کے کانوں نے سنا ہے؟ یا آپ کی آنکھوں نے دیکھا ہے؟ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی محبت کرنے کے کیا ہی واضح دلائل ہیں!

---

(۱) بحار الانوار: ۱۷/۳۲ (۲) ایضا
(۳) ایضا (۴) ایضا

۲- خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ثقلین کی تعریف وثنا خوانی

عمومی طور پر تمام صحابہ کرام کے بارے میں مذکورہ مدح وثنا کے اقوال معلوم ہونے کے بعد ان میں سے خاص طور پر پہلے تین خلفائے راشدین کے بارے میں تفصیلات نقل کی جارہی ہیں۔

کتاب اللہ میں بھی اور اہل بیت کی جانب سے بھی ان خلفائے ثلاثہ کی خاص طور پر مدح وتعریف اور ثنا خوانی کی گئی ہے، کیونکہ کتاب اللہ میں جہاں پر بھی صحابہ کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے تو خلفائے ثلاثہ بدرجۂ اولیٰ اس میں شامل ہیں اور جہاں تک اہل بیت کا تعلق ہے تو ان کے ذریعہ خلفائے ثلاثہ کی خوب مدح وتعریف کی گئی ہے کیونکہ وہ چند ایسے خصائص واوصاف سے متصف تھے جن میں وہ منفرد وممتاز تھے اور اس لئے بھی کیونکہ ان کے درمیان اور اہل بیت کے مابین ایسا مضبوط تعلق تھا جو اظہر من الشمس ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے نکاح فرمایا، یہ دونوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی صاحبزادیاں تھیں، بلکہ کسی بھی ہاشمی خاتون سے آپؐ نے نکاح نہیں فرمایا، حالانکہ گیارہ ازواج آپ کی زوجیت میں آئیں، آپؐ نے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے کیا۔(۱)

اسی طرح حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کو حضرت عمر بن الخطاب

---

(۱) دیکھئے: بحار الانوار ۲۲/۲۰۲، اعلام الوریٰ، ص: ۱۴۱

کے عقد میں دیا، اور اپنی اولاد کو ان کے ناموں سے موسوم کیا۔(۱)

اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت کے مابین کیسے بہترین تعلقات تھے اور انکے درمیان محبت والفت اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا کتنا جذبہ پایا جاتا تھا، اس شخص کے لئے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے جس کا دل درست ہو، اس کی نگاہوں سے تعصب کا پردہ ہٹا ہوا ہو، اور وہ کتب تاریخ میں اس طرح کے حقائق کو تلاش کرے۔

یہاں پر میں صرف ان روایات کو ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جن کو علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور وہ اس مدح وثنا پر دلالت کرتی ہیں۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "خدا کی قسم! اسلام میں ان دونوں (شیخین) کا مقام ومرتبہ نہایت بلند ہے، اسلام لانے کے بعد ان کے بارے میں جرح کرنا سخت خطرناک ہے، اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کے اعمال کا ان دونوں کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔"(۲)

اسی طرح حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ اور ان کو منتخب کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"بلاشبہ مجھ سے ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر وعمر وعثمان سے ان چیزوں پر بیعت کی ہے جن چیزوں کی انہوں نے ان سے بیعت کی، کسی بھی موجود شخص کے لئے (انفرادی طور پر) انتخاب کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا اور نہ ہی غائب شخص کے لئے

---

(۱) دیکھئے: الکافی ۶/ ۱۱۵، مرآۃ العقول ۲۱/ ۱۹۹

(۲) دیکھئے: وقعۃ صفین، ص: ۸۸، شرح نہج البلاغہ ۱۵/ ۷۶

ٹھکرانے کی کوئی گنجائش تھی، بلاشبہ شوریٰ کا حق مہاجرین وانصار سب کو حاصل تھا، اگر ان سب نے کسی شخص کے بارے میں اتفاق کیا اور اس کو امام قرار دیا تو یہ اللہ کی رضا کے لئے تھا، اگر کسی جرم کی وجہ سے یا بدعت کی وجہ سے ان کی جماعت سے کوئی نکل گیا تو اس کو صحیح راہ پر لانے کی کوشش کرتے اگر وہ نہیں مانتا تو راہ حق پر لانے کے لئے اس سے قتال کرتے"۔(۱)

حضرت علیؓ حضرت عمر بن خطاب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فلاں نے کیا خوب کام کیا! بلاشبہ انہوں نے کجی کو درست کر دیا، مرض کا علاج کیا، سنت کو قائم کیا، اپنے زمانہ میں فتنہ نہیں ہونے دیا اور دنیا سے صاف وشفاف اور بے عیب ہو کر چل بسے، خیر کو حاصل کیا اور شر سے بہت دور رہے، اللہ کی اطاعت کی اور پوری طرح اس کا تقویٰ اختیار کیا"۔(۲)

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب سے ان کی حیات میں ہی فرمایا جب کہ لوگوں نے ان سے روم پر حملہ کرنے کے لئے نکلنے کے بارے میں مشورہ کیا: "جب آپ بنفس نفیس دشمن کی طرف نکلیں گے ان سے مڈبھیڑ ہوگی تو آپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے، مسلمانوں کے لئے ان کے ملک میں کوئی پناہ گاہ نہیں بچے گی، کیونکہ آپ کے بعد کوئی ایسا مرجع نہیں ہے جس کی طرف وہ رجوع کرسکیں، لہٰذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو ان کے ساتھ روانہ کیجئے اور اس کے ساتھ بہادر اور مخلص لوگوں کو بھیجئے، اگر اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے گا تو یہی وہ چیز ہے جس کو آپ چاہتے ہیں اور اگر اس کے برعکس اور کوئی چیز ہوئی تو آپ لوگوں کے لئے پناہ گاہ اور مسلمانوں کے لئے مرجع کی حیثیت سے رہیں گے"۔(۳)

اہل بیت کی طرف سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی عزت، توقیر ان کی

(۱) نہج البلاغہ ص۳۶۶، خطبہ ۱۷۳، ۲۲۳/۷۶ (۲) نہج البلاغہ ص:۳۵۰

(۳) نہج البلاغہ ص:۱۹۳، خطبہ ۱۳۴، فوائد ۱۳۵/۳۱

وفات کے بعد بھی جاری رہی، وہ ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے رہے اور ان دونوں نے جن چیزوں کا حکم دیا تھا ان میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی بلکہ ان کے علوم وفتاویٰ کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے، اس کی دلیل حضرت علیؓ کا وہ قول ہے جب کہ ان سے فدک کا مال واپس کرنے کے لئے کہا گیا - اس وقت وہ خلیفہ تھے - فرمایا: "مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں ایسی چیز واپس کروں جس سے ابوبکر نے منع کیا اور عمر نے بھی اس کو ویسے ہی جاری رکھا"۔(۱)

امام محمد باقر نے بھی اپنے متبعین کو ویسے ہی عمل کرنے پر ابھارا جیسے کہ حضرت علیؓ عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتدا کرتے تھے، جب امام محمد باقر سے تلوار کو سونے چاندی سے مزین کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: ہاں، ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تلوار کو چاندی کے ذریعہ مزین کیا! (سائل نے) پوچھا: کیا آپ ان کو صدیق کہہ رہے ہیں؟ امام باقر اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا: ہاں: صدیق، ہاں بصدیق، جو ان کو "صدیق" نہیں کہے گا اللہ دنیا اور آخرت میں اس کے قول کی تصدیق وتائید نہیں کرے گا"۔(۲)

لہٰذا یہ اہل بیت - جو شیخین سے سب سے زیادہ قریب تھے - انہوں نے اس چیز کو نقش چھوڑا جس پر ان دونوں نے عمل کیا اور یہی ان سے وہ چیز اونقل ہوگی جو انہوں نے اپنی زندگی میں اپنائی، کیا ہمارے لئے ان کی شہادت وگواہی اور ان لوگوں کے بارے میں ان کی رائے کافی وشافی نہیں ہے؟ کیا ہم ان کے طریقہ اور اقوال کے علاوہ اور کسی طریقہ کے خواہش مند ہیں؟!!

(۱) شرح نہج البلاغہ ۲۵۲/۱۶ (۲) کشف الغمہ ۱۴۷/۲

۳۔ مہاجرین وانصار کے بارے میں ثقلین کی تعریف وثنا خوانی

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کو تمام صحابہ کے مقابلہ میں فضیلت سے نوازا ہے،
اور یہ فضیلت اس لئے دی ہے کیونکہ مہاجرین نے ہجرت ونصرت دونوں فضیلتوں کو جمع کیا،
انہوں نے اپنے اہل دعیال اور اپنے وطن کو خیر باد کیا اور ایک ایسی جگہ ہجرت کر کے چلے
گئے جہاں وہ اجنبی تھے اور اس میں ان کا مقصود ومطلوب صرف اللہ کی رضاء، اجر وثواب اور
اللہ اور اس کے رسول کی مدد تھا۔

جہاں تک انصار کا تعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ان کے شہر
میں پہونچے، وہاں انہوں نے آپ کی مدد کی، اپنے مال، یہاں تک کہ اپنی ازواج کو اللہ
اور اس کے رسول کی خاطر تقسیم کر دیا۔

ثقلین (کتاب اللہ اور اہل بیت) نے ان کی فضیلت اور ان کے بارے میں
اللہ کی رضامندی کی شہادت دی ہے، بہت سی آیات قرآن پاک میں موجود ہیں جن میں
صحابہ کرام کا حال بیان کیا گیا ہے اور ان کے عظیم الشان فضل کو سراہا گیا ہے اور ان کے
بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اعلان کیا گیا ہے، اسی طرح اہل بیت کے ائمہ کی مختلف
عبارتیں بھی ان آیات کی تشریح وتوضیح کے سلسلہ میں منقول ہیں۔

مہاجرین وانصار کے بارے میں قرآن کریم کی تعریف وثنا خوانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:" **للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلاً من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون ، والذين تبوؤ الدار والإيمان من قبلهم يحبون من هاجر إليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون** " (الحشر:۸-۹)

ترجمہ: (وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور
جائدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں، یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں
اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں، یہی راستباز لوگ ہیں۔ (اور وہ ان
لوگوں کے لئے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں
مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو
کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور
اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ
اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں"۔

شیخ محمد باقر ناصری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

" **للفقراء المهاجرين** " یعنی: مکہ اور دوسرے علاقوں سے ہجرت کر کے
آنے والے" جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں" وہ آئے ہیں

طلب کرتے ہوئے" اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی" یعنی: مدینہ منورہ جہاں انصار مہاجرین سے پہلے مقیم تھے، یا مہاجرین سے پہلے ایمان لانے والے مراد ہیں اور وہ لیلۃ العقبہ میں موجود ستر صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہر دشمن سے جنگ کرنے پر بیعت کی، " یحبون من هاجر إليهم ": انہوں نے مہاجرین کے ساتھ احسان کیا ان کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور اپنے مال میں ان کو شریک کیا اور بنو نضیر سے حاصل شدہ مال غنیمت میں سے جو زائد حصہ مہاجرین کو دیا گیا اس کے بارے میں ان کے دلوں میں نہ کوئی حسد ہے نہ جلن، " ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة " یعنی: اپنے فقر اور ضرورت کے باوجود ایثار سے کام لیتے ہیں، " ومن یوق شح نفسه " یعنی: جو اپنے نفس کے بخل کو دور کرے گا، " فاولئک هم المفلحون " یعنی: یہی لوگ کامیاب ہیں اور اللہ کے ثواب کو حاصل کرنے والے ہیں۔ "(۱)

شیخ محمد السبزواری نجفی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" للفقراء المهاجرين " یعنی: جنہوں نے مکہ چھوڑا اور مدینہ کا قصد کیا جہاں ان کے نبی نے ہجرت کی اور دار الحرب سے دار الاسلام آئے اور وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کئے گئے" جو ان کی ملکیت میں تھے،" یبتغون " یعنی: وہ طلب کرتے ہیں، " فضلا من الله ورضوانا " اللہ کے فضل، اس کی رضا اور اس کی رحمت کے خواہشمند ہیں۔" وینصرون الله " یعنی: وہ اللہ کے دین کی نصرت وحمایت کے لئے ہجرت کرتے ہیں، " ورسوله " یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے مقابلہ

---

(۱) تفسیر مختصر مجمع البیان: مزید دیکھئے تفسیر الکاشف، سورۃ الحشر: ۸-۱۰

میں قوت بہم پہونچاتے ہیں،" اولئک هم الصادقون " یعنی: عملی طور پر، اس لئے کہ انہوں نے دین کی مدد کی اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا، جب اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ اور دوسرے مہاجرین کی تعریف کی، اس کے بعد اہل مدینہ کے انصار کی تعریف کی، اس لئے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں وہ راضی تھے کیونکہ اس کو صرف ضرورتمند مہاجرین میں تقسیم کیا گیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " والذين تبوؤا الدار " یعنی: وہ مدینہ میں مقیم رہے جو دار الہجرت ہے جہاں انصار مہاجرین سے پہلے مقیم تھے۔ " والایمان "۔ کیونکہ مہاجرین سے پہلے وہ ایمان نہیں لائے، سوائے چند لوگوں کے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے کے بعد ایمان لائے۔

" الدار " پر " ایمان " کا عطف یہ عطف ظاہری ہے نہ کہ معنوی، کیونکہ ایمان کا ٹھکانہ نہیں بنایا جاتا ہے، انہوں نے کفر کے مقابلہ میں ایمان کو ترجیح دی، " ان سے پہلے" یعنی: ان کے پاس مہاجرین کے آنے سے پہلے، جب کہ انہوں نے ان کے ساتھ ان کو شریک کیا، " ولا یجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا " یعنی: ان کے دلوں میں کوئی جلن، کوئی غصہ اور حسد نہیں ہے اس وجہ سے کہ مہاجرین کو بنو نضیر سے حاصل شدہ مال غنیمت ملا، بلکہ اس پر ان کے دل مطمئن تھے اور " وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں" یعنی: مہاجرین کو پیش پیش رکھتے ہیں، اور نفع میں اپنے مقابلہ میں ان کو فضیلت وترجیح دیتے ہیں" ولو کان بهم خصاصة " یعنی: اگر چہ وہ بذات خود ضرورت مند اور محتاج ہوں، ایسا وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ شفقت کی وجہ سے اور اجر وثواب کی طلب میں کرتے ہیں، " ومن یوق شح نفسه " یعنی: اللہ کے ثواب کو حاصل کرنے والے، اس کی جنت وانعامات سے لطف اندوز ہونے والے "۔ (تفسیر الجدید، سورۃ الحشر: ۸-۱۰)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والذین آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله والذين آووا ونصروا أولئک هم المؤمنون حقا لهم مغفرة ورزق كريم، والذين آمنوا من بعد وهاجروا وجاهدوا معكم فأولئک منكم وأولوا الأرحام بعضهم أولى ببعض في كتاب الله إن الله بكل شيء عليم" (الأنفال: ۷۴-۷۵)

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھربار چھوڑے اور جد وجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، وہی سچے مومن ہیں، ان کے لئے خطاؤں سے درگذر ہے اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر جد وجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں، مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے"۔

شیخ محمد السبزواری نجفی کہتے ہیں:

"والذین آمنوا وهاجروا وجاهدوا" یعنی: جنہوں نے ان چیزوں کے بارے میں اللہ کے رسول کی تصدیق کی جو وہ اللہ کے پاس سے لے کر آئے، اور انہوں نے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین کیا، اپنے دین کی حفاظت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گھروں کو چھوڑا اور آپؐ کے ساتھ رہتے ہوئے اللہ کے دین اور اس کی شریعت کی نصرت کے لئے جہاد کیا۔ "أولئک هم المؤمنون حقا" یعنی: یہی فعلاً قولاً، قولاً اور عملاً تصدیق کرنے والے ہیں، انہوں نے ایمان کو ثابت کر کے دکھایا، یہاں تک کہ یہ دلیل قائم کردی کہ یہی حقیقی ایمان ہے، لہذا ایسے لوگ "لهم مغفرة ورزق كريم" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت تیار کر رکھی ہے، ان کی لغزشوں

سے تجاوز کرتے ہوئے اور رزق کریم بھی، عظیم الشان اور وافر مقدار میں، کوئی بھی چیز اس کو ختم نہیں کرسکتی ہے۔ "والذین آمنوا من بعد ...." یعنی: جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمہارے ایمان لانے کے بعد ایمان لائے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تمہاری پہلی ہجرت کے بعد ہجرت کی "اور تمہارے ساتھ جہاد کیا" تمہاری طرف سے کفار و مشرکین سے قتال کیا "فأولئک منكم" یعنی: وہ تمہارے ہی گروہ میں سے ہیں، ایمان و ہجرت کے اعتبار سے، جہاد کے اعتبار سے، موالاۃ، میراث اور نصرت کے احکام کے اعتبار سے، اگرچہ وہ بعد میں ایمان لائے اور بعد میں ہجرت کی"۔(۱)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الذین آمنوا وهاجروا وجهدوا في سبيل الله بأموالهم وأنفسهم أعظم درجة عند الله وأولئک هم الفائزون" (توبہ: ۲۰)

ترجمہ: اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھربار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا وہی کامیاب ہیں۔

سید محمد حسین فضل اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الذین آمنوا وهاجروا وجهدوا" جو ایمان لائے، ہجرت کی اور جہاد کیا اور ہجرت کی وجہ سے وہ پریشانیاں برداشت کیں جو انہوں نے برداشت کیں اور اپنے وطن کی طرف ہجرت کی جہاں دعوت و جہاد کی آزادی تھی، اور وہ اس دباؤ سے دور ہوئے جو دین

---

(۱) تفسیر الجدید، مزید دیکھئے: الصافی، الوجیز، تقریب القرآن "سورۃ انفال ۷۴"

لڑو (تو انہوں نے فوراً تعمیل کی) لاکفرن یعنی: میں مٹادوں گا" "ولادخلنہم جنات تجری من تحتھا الأنہار ثوابا من عند اللہ" "جس کے وہ اللہ کی طرف سے مستحق ہوں گے" "واللہ عندہ حسن الثواب" یعنی: تمام اعمال پر وہی بہترین بدلہ دینے والا ہے اس کے علاوہ اور کوئی اس کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ (تفسیر شبر، سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

لہذا اہل بیت سے محبت کرنے والے قارئین کرام! جو کچھ بیان کیا جاچکا ہے اس پر غور وفکر کیجیے، اگرچہ یہ بہت معمولی ہے اس کے مقابلہ میں جو کہ صحابہ کرام کے بارے میں بہت کچھ منقول ہے۔

مہاجرین وانصار کے بارے میں نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- اور اہل بیت کی تعریف وثناخوانی

اہل بیت سے صحابہ کرام کے بارے میں صحیح ترین روایات منقول ہیں جو مہاجرین وانصار کی فضیلت پر روشنی ڈالتی ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل سطور میں نقل کی جارہی ہیں:

حضرت جریر بن عبداللہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- سے روایت کرتے ہیں کہ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا: "مہاجرین وانصار دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، اور قریش کے طلقاء (وہ لوگ مراد ہیں جن کو فتح مکہ پر عام معافی دے دی گئی تھی) اور ثقیف کے آزاد کردہ لوگ دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے ولی ہیں"۔(1)

حضرت کعب بن عجرہ سے منقول ہے کہ: "مہاجرین وانصار اور بنو ہاشم کا اس کے بارے میں اختلاف ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ حقدار آپ کے نزدیک ہم میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انصار کے لوگو! جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو میں آپ کا بھائی ہوں، انہوں نے کہا: اللہ اکبر، آپؐ ہمارے حصہ میں آئے، رب کعبہ کی قسم! اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے مہاجرین! میں تو تم ہی میں سے ہوں، انہوں نے کہا: اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم! آپؐ ہمارے حصہ میں آئے، آپؐ نے اس کے بعد بنو ہاشم کو مخاطب کرکے فرمایا: اور اے بنو ہاشم!

(1) آمالی الطوسی، ص: ۲۶۸، بحار الانوار ۲۲/ ۳۱۱

کے بارے میں آزمائش کا سبب بنتا تھا، یہ اللہ کے لئے عظیم الشان اخلاص کی دلیل ہے، اس میں تمام ذاتی جذبات اور محبوب ترین اشیاء کے ساتھ مقابلہ کرنا ظاہر ہو رہا ہے، اور جنہوں نے جہاد کیا" فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم "انہوں نے دعوت و جہاد کے لئے اپنا مال خرچ کیا اور اس راستے میں ان کو ہر قسم کی معنوی اور مادی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے اپنی زندگی کے ذاتی اور انفرادی پہلو کو قربان کر دیا اور اجتماعی اور عمومی معاشرہ کے ایک متحرک عنصر بن گئے جس کا تعلق براہ راست اللہ اور زندگی سے تھا، بلاشبہ یہ لوگ اللہ کے نزدیک مقام و مرتبہ کے اعتبار سے سب سے فائق ہیں، ان تمام دوسرے لوگوں سے جو محدود میدانوں میں خیر کا کام انجام دیتے ہیں، "واولئک ھم الفائزون" اللہ کی رحمت ،اس کی خوشنودی اور اس کی جنت کے ذریعہ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔(۱)

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالٰی ہے:

"ربنا إننا سمعنا منادیا ینادی للإیمان أن آمنوا بربھم فآمنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیآتنا وتوفنا مع الأبرار ، ربنا وآتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامة إنک لا تخلف المیعاد، فاستجاب لھم ربھم أنی لا أضیع عمل عامل منکم من ذکر أو أنثی بعضکم من بعض، فالذین ھاجروا وأخرجوا من دیارھم وأوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لأکفرن عنھم سیآتھم ولأدخلنھم جنات تجری من تحتھا الأنھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب" (آل عمران: ۱۹۳-۱۹۵)

(۱) تفسیر من وحی القرآن، مزید دیکھئے: المیزان، تقریب القرآن (سورۂ التوبہ: ۲۰)

ترجمہ:" مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو، ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی، پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگذر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر، خداوندا! جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے کئے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔ جواب میں ان کے رب نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، لہذا جن لوگوں نے میرے خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکال گئے اور ستائے گئے اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے"۔

سید عبداللہ شبر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"فاستجاب لھم ربھم "ان کے رب نے ان کی وہ دعا قبول کر لی جو انہوں نے طلب کی تھی،"انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی "عمل کرنے والے کی وضاحت کی جا رہی ہے" بعضکم من بعض "یعنی تم سب کی اصل ایک ہے، "فالذین ھاجروا "یعنی: جنہوں نے شرک کو، اپنے وطن کو اور اپنی قوم کو دین کی خاطر چھوڑا" واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی "یعنی: میرے دین کے لئے اور اسی کی وجہ سے" وقاتلوا "اور انہوں نے مشرکین سے جنگ کی" وقتلوا "یعنی: شہید ہوئے، واؤ سے ترتیب کا پایا جانا ضروری نہیں ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ جب ان سے کہا گیا

تم مجھ سے ہو اور میری طرف ہو (جب آپؐ نے یہ فرمایا تو) ہم سب آپ کے پاس سے آئے جب کہ ہم سب خوش تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رشک کر رہے تھے"۔(۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "میں تمہارے درمیان دو اہم ترین چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، البتہ ان میں سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے...... آخر میں آپؐ نے فرمایا: سن لو! بلاشبہ انصار میرے لئے ڈھال کی مانند ہیں لہذا ان کی لغزشوں سے درگذر کرنا اور ان میں احسان کرنے والے کی مدد کرنا"۔(۲)

یہ مبارک احادیث ونصوص اہل بیت کے ذہنوں سے اوجھل نہیں تھے، بلکہ انہوں نے ان کو یاد کیا اور محفوظ کیا، اسی لئے حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کو جواب دیتے ہوئے مہاجرین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا: "سبقت کرنے والے سبقت کرنے کی وجہ سے کامیاب ہوئے اور مہاجرین اولین اپنے فضل وکمال سے بہرہ مند ہوئے"۔(۳)

اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا: "مہاجرین خیر کثیر کے حامل ہیں، جس کو ہم جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے"۔(۴)

حضرت حسنؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کی، اگرچہ اس نے ایک بالشت زمین ہی کا سفر کیوں نہ کیا ہو، اس کے لئے جنت

(۱) الامناقب ۳/۳۳۶، بحار الانوار: ۲۲/۳۱۲ (۲) بحار الانوار: ۲۲/۳۱۱

(۳) شرح نہج البلاغہ ص: ۳۷۶، بحار الانوار: ۳۳/۱۰۷، وقعہ صفین ص: ۱۴۹

(۴) وقعہ صفین ص: ۸۸، بحار الانوار: ۳۳/۱۱۰

واجب ہوئی اور ابراہیمؑ و محمدؐ کی مرافقت اس کو حاصل ہوگی"۔ (۱)

سابقہ روایات وتصریحات سمندر کا ایک چھینٹا اور بحر زخار کے چند قطرات کی مانند ہیں جن سے دل کی دنیا سیراب ہوتی ہے اور دلوں کے لئے نئی زندگی کا ذریعہ اور ہدایت ونور کا سرچشمہ جاری ہوتا ہے، غفلت میں پڑا ہوا شخص اس کے ذریعہ زندگی حاصل کرتا ہے اور کوئی گروہ ان کے فضائل ومناقب کی اقتدا کرتا ہے، اہل بیت کے اس طرز عمل پر اللہ ہی تعریف کا مستحق ہے کہ انہوں نے تمام صحابہ کی تعریف وثناخوانی کی ہے، اور اس تعریف وتوصیف سے کسی بھی صحابی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔

(۱) بحار الانوار: ۱۹/۳۱، مجموعہ ورام: ۱/۳۳، تفسیر الصافی: ۱/۴۹۰، تفسیر نور الثقلین: ۱/۵۴۱

۴- اہل بدر کے بارے میں ثقلین کی تعریف وثنا خوانی

صحابہ کرام کی عمومی مدح وتعریف کے بعد مہاجرین وانصار کی تقسیم کی گئی اور پھر صحابہ کے متعین گروہوں کا نمبر آتا ہے کیونکہ وہ کسی عظیم عمل یا خاص سبب کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتے ہیں جس کی بنا پر وہ مزید فضل وکمال کے مستحق قرار پائے۔

اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کو افضلیت اور عظیم مراتب کا مستحق قرار دیا ہے جو جنگ بدر میں شریک ہوئے، وہ اس وقت نہایت کم تعداد میں تھے، اس وقت انہوں نے قتال کی تیاری نہیں کی تھی یا کفار قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سامنا کرنے کے لئے کوئی تیاری نہیں کی تھی کیونکہ ان کو کفار کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور پھر بعد میں جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔

لیکن اللہ کے فضل واحسان کی وجہ سے انہی قلیل صحابہ کے ذریعہ فتح مبین حاصل ہوئی، انہوں نے پورے عرب کو خوفزدہ کر دیا اور ان پر اپنا رعب قائم کرلیا، اس غزوہ کی وجہ سے قبائل وعرب کے مابین ان کو ایک عظیم مقام ومرتبہ حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کو ان پاکیزہ صحابہ کے تمام اعمال کا علم تھا، اللہ نے ان کے بارے میں خوشخبری سنائی کہ کفر پر ان کی موت نہیں ہو سکتی ہے اور ان کے تمام گناہ معاف ہیں۔

اسی چیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور زیادہ موکد فرمایا جب کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو قتل کرنا چاہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: "اے عمر! تم کو کیا معلوم! اللہ تعالیٰ کو اہل بدر کے تمام اعمال معلوم تھے، اللہ نے ان کی مغفرت کر دی ہے اور ان سے کہہ دیا ہے: تم جو چاہو کرو تمہاری مغفرت

کر دی گئی ہے"۔(۱)

اہل بدر کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ ایک ابدی شہادت اور تزکیہ ہے جس میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے قیامت تک کے لئے راضی ہے۔

(۱) دیکھئے: بحار الانوار ۴۶۲/۴۳؛ شرح نہج البلاغہ: ۸۹/۱۷

۵-فتح سے پہلے اور بعد میں انفاق کرنے والوں کے حق میں ثقلین کی مدح وتعریف

اہل بدر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سابقہ اطلاع اور وقت مقررہ کے بغیر ہی جہاد میں نکلنے میں بلند ہمتی سے کام لیا اور وہ پس وپیش کا شکار نہیں ہوئے، اس لئے ان کی مدح وثنا کا دائرہ اور وسعت اختیار کرتا ہے جس میں وہ تمام صحابہ شامل ہوتے ہیں جنہوں نے فتح سے پہلے اور اس کے بعد انفاق کیا۔

ایک مسلمان یہ ایمان رکھتا ہے کہ جن صحابہ نے فتح سے پہلے انفاق کیا اور قتال کیا وہ ان صحابہ سے افضل ہیں جنہوں نے فتح کے بعد انفاق اور قتال کیا۔

"فتح" سے مراد "صلح حدیبیہ" ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**انا فتحنا لک فتحا مبینا**" (الفتح:۱) ترجمہ: اے نبی! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی"۔

حدیبیہ: مکہ کے قریب ایک کنواں ہے، جہاں پر بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ وہاں پر موجود ایک درخت کے نیچے ہوئی، جب کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، تمام صحابہ نے یہاں مر مٹنے پر بیعت کی۔

فتح یا صلح حدیبیہ میں موجود صحابہ کرام کو فضل وکمال اور مقام بلند کی اس خصوصیت کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کیونکہ اس وقت کے تحت حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور صحابہ کو بھی افرادی طاقت اور مادی قوت کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، یہ بیعت اور اس کے بعد ہونے والی صلح ان زبردست نتائج کے اعتبار سے فتح مبین تھی جو اس

کے بعد حاصل ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے اس وقت بیعت کی جب کہ صحابہ کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، حضرت عثمان غنیؓ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بطور قاصد اہل مکہ کے پاس گئے تھے، تو بیعت میں ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کی جانب سے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر ان کی طرف سے خود ہی بیعت فرمائی۔

لیکن بعض مسلمانوں نے کہا: عثمان کے لئے خوشخبری ہے، انہوں نے تو خانہ کعبہ کا طواف کیا اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کی اور حلال ہو گئے! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ایسا نہیں کر سکتے ہیں، جب حضرت عثمان تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا: کیا آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا؟ انہوں نے جواب دیا: میں خانہ کعبہ کا طواف کیسے کر سکتا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا طواف نہ کر سکے ہوں"۔(۱)

اس بیعت کو فتح کہا گیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اس کے بعد مسلمانوں کو خیر کثیر اور نصرت کا حصول ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان پاکیزہ نفوس کی تعریف کی ہے، ان کے ظاہر وباطن کا تزکیہ فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"**لقد رضی اللہ عن المؤمنین إذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فأنزل السکینۃ علیھم وأثابھم فتحا قریبا**"۔ (الفتح: ۸۱)

---

(۱) الکافی: ۳۲۵/۸، بحار الانوار ۳۶۵/۲۰

ترجمہ: ’’اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے، ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی‘‘۔

شیخ امین الدین ابوعلی طبری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس آیت میں اس بیعت کو بیعت الرضوان کہا گیا ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام نے مشہور درخت کے نیچے حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ ببول کا درخت تھا، ’’فعلم ما فی قلوبھم ‘‘یعنی: جہاد، صبر اور وفاداری کے سلسلہ ان کی نیت کی سچائی کو اللہ تعالیٰ نے جانچ لیا، ان کی تعداد پندرہ سو یا تیرہ سو تھی ’’فانزل السکینۃ علیھم ‘‘ ان پر اللہ تعالیٰ نے سکینت نازل فرمائی، ’’ان پر‘‘ سے مراد مومنین ہیں، سکینت: اللہ کا وہ انعام ولطف ہے جو ان کے دلوں کی تقویت کا باعث بنا جیسے کہ طمانیت سے ان کے دل مطمئن ہوئے‘‘ وأثابھم فتحا قریبا ‘‘یعنی: فتح خیبر مراد ہے‘‘۔(۱)

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

’’لایستوی منکم من أنفق من قبل الفتح وقاتل، أولئک أعظم درجۃ من الذین أنفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنی ، واللہ بما تعملون خبیر ‘‘ (الحدید: ۱۰)

ترجمہ: ’’تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے، ان کا درجہ بعد میں خرچ

(۱) تفسیر جامع الجوامع، مزید دیکھئے: منتخبات الدرر، تقریب القرآن، سورۃ الفتح: ۱۸

اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے‘‘۔

شیخ محمد سبزواری نجفی آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

’’ **لایستوی منکم** ‘‘ یعنی: برابر نہیں ہوسکتے ہیں ’’**من أنفق**‘‘ ’’جنہوں نے خرچ کیا‘‘ اپنا مال اللہ کے راستہ میں ’’**من قبل الفتح وقاتل** ‘‘’’فتح سے پہلے اور قتال کیا ‘‘کفار سے، بلاشبہ ’’اولئک‘‘ یہ لوگ ’’جوایسا کرنے والے ہیں‘‘ ’’**أعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا** ‘‘ بلند درجہ والے ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال کیا‘‘ یعنی: فتح مکہ کے بعد، لہذا لشکر اسلام پر فتح سے پہلے خرچ کرنا اور جہاد کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ باعث ثواب ہے اس کے بعد انفاق کرنے اور جہاد کرنے کے مقابلہ میں ’’ **وکلا وعد اللہ الحسنی** ‘‘یعنی: اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی اور ان سے بھی جنت کا وعدہ فرمایا ہے اگرچہ درجات میں فرق مراتب پایا جاتا ہے‘‘ **واللہ بما تعملون خبیر** ‘‘ یعنی: اللہ وہ تمام اعمال جانتا ہے جو تم کرتے ہو، اس سے تمہارے حال، تمہارے قول، تمہارے انفاق اور جہاد میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے بلکہ وہ تمہارے تصرفات واعمال اور تمہاری نیتوں کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے‘‘۔(۱)

جن سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا ہے ان کے لئے اس نے جنت کا فیصلہ فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’إن الذین سبقت لھم منا الحسنی أولئک عنھا مبعدون لا

(۱) تفسیر الجدید، مزید دیکھئے: تفسیر الصافی، شبر، منتخبات الدرر، الجوھر الثمین: (سورۃ الحدید: ۱۰)

یسمعون حسیسها وهم فی ما اشتهت انفسهم خالدون ، لا یحزنهم الفزع الأکبر "(الأنبیاء: ۱۰۱–۱۰۳)

ترجمہ: "بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہوگا تو وہ یقیناً اس سے دور رکھے جائیں گے اس کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنی من بھائی چیزوں کے درمیان رہیں گے، وہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت ان کو ذرا پریشان نہ کرے گا"۔

ابو جعفر طوسی مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن الذین سبقت لهم منا الحسنی" یعنی: جنت کا وعدہ، ...... اس کے بعد اللہ تعالی نے بیان کیا ہے کہ جنکی صفت یہ ہے: "اس کو جہنم سے بہت دور رکھا جائے"۔(۱)

جس طرح صلح حدیبیہ کے دوران اور اس سے پہلے صحابہ تنگی اور مشقت میں تھے، اسی طرح غزوہ تبوک کے موقعہ پر بھی ایک ایسا وقت آیا جب مدینہ کے منافقوں کو مخلص مسلمانوں سے ممتاز کیا گیا: قرآن کریم نے اس کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اللہ تعالی ان صحابہ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نکلے:

"لقد تاب الله علی النبی والمهاجرین والأنصار الذین اتبعوه فی ساعة العسرة من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم إنه بهم رؤوف رحیم" (التوبة: ۱۱۷)

ترجمہ: اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرین وانصار کو جنہوں نے بڑی تنگی

(۱) تفسیر التبیان، تفسیر المیزان، سورۃ الانبیاء: ۱۰۱

کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا، اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے، (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبی کا ساتھ ہی دیا تو) اللہ نے انہیں معاف کر دیا، بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت ومہربانی کا ہے"۔

سید محمد تقی المدرسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لقد تاب الله علی النبی والمهاجرین والأنصار" نبی کی توبہ قبول کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے مزید برکات کا نزول، البتہ مہاجرین وانصار کی طرف اس کی نسبت ہونے پر کبھی تو اس سے گناہوں کی مغفرت بھی مراد ہوتی ہے، لیکن کیوں اور کیسے ان کے گناہ معاف کئے گئے؟ ایسا اس لئے کیونکہ انہوں نے تنگی کے مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور یہ ایک عظیم عمل تھا، اللہ عظیم حسنات کے ذریعہ چھوٹے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، اسی لئے آیت میں اس حقیقت کو تاکیدی طور پر بیان کیا گیا ہے" "جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی" تنگی کے موقع پر صبر کرنا یہ عظیم کام ہے، اس کے ذریعہ اللہ تمام چھوٹے گناہ معاف کر دیتا ہے"۔(۱)

شیخ طبرسی فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے مہینہ میں روم پر حملہ کرنے کی تیاری کی، عرب کے وہ قبائل جو اسلام میں داخل ہوئے تو ان سب کو اس کے بارے میں لکھا، ان کے پاس جہاد کی ترغیب دینے کے لئے اپنے قاصد بھیجے...... جب آپ نے نکلنے کا ارادہ فرمایا: تو پہلے آپ نے ایک تقریر فرمائی، اللہ کی حمد وثنا بیان کی، ہمدردی، کمزور کی مدد اور انفاق کی ترغیب دی"۔ سب سے پہلے خرچ کرنے والے حضرت عثمان بن

(۱) تفسیر من هدی القرآن، مزید دیکھئے تفسیر المجید یہ من وحی القرآن (سورۃ التوبہ: ۱۱۷)

عفانؓ تھے، وہ چاندی کے برتن لے کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دئے، انہوں نے بعض کمزور لوگوں کو جہاد کے لئے تیاری کا سامان بھی دیا، انہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: انہوں نے تنگی کے لشکر کو تیار کیا، حضرت عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور غیر معمولی مال خرچ کیا اور کچھ لوگوں کو جہاد کے لئے تیاری کا سامان بھی دیا، انصار بھی اس میں پیش پیش رہے، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے مال خرچ کیا، بعض منافقین نے بھی ریاکاری اور شہرت کی غرض سے انفاق کیا"۔(۱)

جتنی آیات اور روایات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہیں وہ ان لوگوں کے مقام ومرتبہ کی وضاحت کے لئے کافی وشافی ہیں، جنہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی نصرت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہر چیز قربان کی۔

اہل بیت سے محبت کرنے والے علماء کے سابقہ اقوال کا جو بھی بنظر غائر مطالعہ کرے گا، انصاف اور بصیرت کے ساتھ ان کا تتبع کرے گا، اس کے سامنے اس مبارک ترین جماعت کا فضل وکمال واضح ہو جائے گا، جنہوں نے اللہ کی بارگاہ میں مخلصانہ اعمال پیش کئے، نور نبوت سے روشنی حاصل کی، اور حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوطی سے اختیار کیا، اسی لئے ثقلین نے ان کے لئے اس مقام بلند اور فضل وکمال کی شہادت دی ہے۔

---

(۱) دیکھئے: اعلام الوری، ص:۱۳۱، بحار الانوار:۲۱/۲۴۴

تیسرا باب

فتنہ کا ظہور کیسے ہوا؟

ہم نے اللہ کے فضل وتوفیق سے ان روایات کو بیان کیا جو صحابہؓ کے فضل وکمال پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح ائمہ وعلماء کے نزدیک ان کی عظمت شان پر بھی روشنی ڈالی، قرآنی آیات اور اہل بیت سے منقول روایات کے ذریعہ اس کو واضح کیا گیا، اس کے بعد بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے: صحابہ کے مابین اختلاف کیسے ہوا جب کہ وہ اہل فضل وکمال اور اللہ کے دین کے متبعین ہیں؟

۱- مسلمانوں کے مابین سب سے پہلے فتنہ پروری کرنے والا شخص:

پرسکون زندگی جو صحابہ - رضی اللہ عنہم - کے معاشرہ میں عام ہو گئی تھی، اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں مبارک فتوحات اور عظیم کامیابیوں کی کثرت، جس کی ابتداء مدینہ سے یہودیوں کو نکالنے سے ہوئی، پھر ان کو پورے جزیرۃ العرب سے نکال باہر کیا گیا، اس کے بعد کچھ ہی زمانہ بعد فارس کا تخت شاہی بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آیا اور گرد ودور گروہ نئے لوگ اسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے، ان میں سے بعض لوگ سابقہ رسم ورواج اور افکار کے حامل لوگ تھے جو مکمل طور پر ان کے اذہان سے خارج نہیں ہوئے تھے، یہ تمام چیزیں ایسی تھیں جنہوں نے امت مسلمہ کی صفوں میں اختلاف اور تفریق کی زمین ہموار کی۔

مسلمانوں کی پرسکون اور آسودہ زندگی اور کثرت فتوحات اور اس طرح کی تمام

چیزیں خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کو ایک آنکھ پسند نہیں آئیں، اس لئے انہوں نے اس مبارک مثالی معاشرہ میں اختلاف وتفریق کے بیج بونے کی کوششیں شروع کردیں اور دین اسلامی میں بدعات وتفرقہ بازی کی آگ لگانے میں انہوں نے اپنی جانیں کھپادیں اور صحابہ کی صفوں میں تفریق پیدا کرنے کی کوششیں کی۔

بیمار قسم کے نفوس کو اغوا کرکے شبہات کے بیج بونا اور فتنہ کی آگ بھڑکانا شر اور فتنہ انگیزی کے دروازوں میں سب سے پہلا دروازہ تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں طعن وتشنیع کا سلسلہ شروع کیا گیا، یہاں تک کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی، مسلمانوں کی صفوں میں تفریق اور ان کی طاقت کو کمزور کرنے میں صلاحیتیں صرف کی گئیں۔

اس بدترین سازش کا علمبردار اور اس معاملہ میں سب سے بنیادی رول ادا کرنے والا عبداللہ بن سبا یہودی تھا، اس نے سب سے پہلے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفانؓ کو شہید کرنے کے لئے بغاوت کی آگ بھڑکائی، اس کے بعد حضرت علیؓ پر افترا اندازی کی، اور ان کی جانب بہت سے یہودی اعتقادات اور اقوال منسوب کئے، ان کی ترویج کا کام کیا اور بہت سے کوتاہ نظر، کمزور ایمان اور فتنہ پرور لوگوں میں ان کو عام کیا۔

جب ان خطرناک بدعات اور فتنوں کی آگ لوگوں میں پھیل گئی اور شیطان نے ان کے اعمال مزین کردئے تو ان کے یہ اقوال امیر المؤمنین کی نگاہوں اور کانوں تک پہنچ گئے، جن کو سن کر وہ نہایت غضبناک ہوئے، انہوں نے اس سلسلہ میں کمزوری نہیں دکھائی اور نہ ہی ان بدترین اقوال سے صرف نظر کیا۔ انہوں نے خندقیں کھدوائیں، اور ان میں آگ جلائی، اس کے بعد ہر اس شخص کو جلانے کی دھمکی دی جو

بھی اس خطرناک افترا اندازی سے رجوع نہ کرے، انہوں نے ان میں سے ایک بڑی تعداد کو جلایا اور کچھ دوسرے لوگوں کو جلاوطن کیا۔

علامہ مجلسی نے ''بحار الانوار'' میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امیر المؤمنین سے کہا: ''مسجد کے دروازے پر بعض ایسے لوگ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ان کے رب ہیں! حضرت علی نے ان کو بلایا اور کہا: تمہاری تباہی ہو میں تو تمہاری طرح اللہ کا بندہ ہوں، میں کھانا کھاتا ہوں، پانی پیتا ہوں، لہذا اللہ سے ڈرو اور اس غلط عقیدہ سے رجوع کرو۔

وہ لوگ دوسرے اور تیسرے روز ان کے پاس آئے، انہوں نے پھر اسی عقیدہ کا اظہار کیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے کہا: خدا کی قسم! اگر تم نے توبہ کی تب تو ٹھیک ہے، ورنہ میں تم کو بہت بری طرح قتل کروں گا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے قبریں اور خندق کھودنے والے کو بلایا، ان کے لئے مسجد اور محل کے درمیان خندقیں کھدوائیں، لکڑیاں منگوا کر ان میں آگ جلوائی اور اس کے بعد ان سے کہا: میں تم کو ان میں ڈالوں گا یا پھر اپنے اس عقیدہ سے رجوع کرلو! انہوں نے انکار کیا، اس کے بعد ان کو ان خندقوں میں ڈال دیا، یہاں تک کہ وہ جل گئے۔

ان کے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ان کو انہوں نے نہیں جلایا بلکہ صرف ان کو دھویں میں ڈالا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے کہا:

لما رأيت الأمر أمرا منكرا	أوقدت ناري ودعوت قنبرا
ثم احتفرت حفرا وحفرا	وقنبر يحطم حطما منكرا

ترجمہ: جب میں نے خطرناک اور ناپسندیدہ معاملہ کو دیکھا تو میں نے آگ جلوائی اور اپنے غلام قنبر کو بلایا، اس کے بعد میں نے خندقیں کھدوائیں، اور قنبر اس میں ڈال

جار ہا تھا۔(۱)

قارئین کرام! کہیں آپ کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ یہ صرف کوئی خیالی، زبانی یا موہوم شخصیت تھی جس نے ان خبیث سازشوں کا جال بنا، بلکہ یہ بدترین شخصیت اسلام کے خلاف برسرِپیکار تھی اور میدان کارزار میں موجود تھی، مختلف حربے اپنا رہی تھی اور خطرناک منصوبے تیار کر رہی تھی، اسی لئے علماء بھی اس کی صحیح صورتحال بیان کرنے سے غافل نہیں رہے، انہوں نے اس کی تمام سازشوں کو واشگاف کیا، اس کے رازوں کو فاش کر دیا، اسلامی صفوں میں انتشار وتفریق پیدا کرنے کے اس کے بدترین کردار اور عوام کے ذہنوں میں خطرناک افکار ومقاصد عام کرنے کے رول کو بیان کیا۔

عبداللہ بن سبا کی کے بارے میں بہت سے علماء نے لکھا ہے جن میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

۱۔سعد بن عبداللہ اشعری القمی (۳۰۱ھ)

فرماتے ہیں: ’’اس فرقہ کو سبئیہ فرقہ کہا جاتا ہے، یعنی: عبداللہ بن سبا کے اصحاب وتبعین، اس کا پورا نام عبداللہ بن وہب راسبی ہمدانی ہے، ان سازشوں میں اس کا ساتھ عبداللہ بن حرسی اور ابن اسود نے دیا، یہ دونوں اس کے مقرب ترین اصحاب میں سے تھے، یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور دیگر صحابہؓ کے بارے میں زبانِ طعن دراز کی، اور ان سے براءت کی‘‘۔(۲)

۲۔الکشی (۳۶۹ھ): انہوں نے اُبان بن عثمان کے واسطے سے نقل کیا ہے، وہ

(۱) بحار الأنوار: ۳۳/۲۱۴ (۲) المقالات والفرق، ص:۲۰

کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ کی لعنت ہو عبداللہ بن سبا پر، اس نے امیر المؤمنین –علیہ السلام– کے بارے میں ربوبیت کا دعویٰ کیا، خدا کی قسم! امیر المؤمنین اللہ کے ایک مطیع وفرمانبردار بندہ تھے، تباہی ہے اس شخص کے لئے جس نے ہمارے بارے میں افتراء اندازی کی ہے، بعض لوگ تو ہمارے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم اپنے وہم وخیال میں بھی نہیں لاسکتے ہیں، ہم ان سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں، ہم ان سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا، اس نے اسلام قبول کیا اور حضرت علی سے تعلقات قائم کئے، یہودی ہونے کی حالت میں وہ حضرت یوشع بن نون –حضرت موسیٰ کے وصی– کے بارے میں غلو کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایسا ہی کرنے لگا، یہی سب سے پہلا شخص تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا عقیدہ مشہور کیا، آپ رضی اللہ عنہ کے دشمنوں سے براءت کا اعلان کیا، آپؓ کے مخالفین سے مقابلہ کیا اور ان کی تکفیر کی‘‘۔(۱)

۳۔شیخ الطائفہ ابوجعفر الطوسی (۴۶۰ھ)

’’اصحاب علی علیہ السلام‘‘ باب کے تحت عبداللہ بن سبا کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’عبداللہ بن سبا، جس نے دوبارہ کفر اختیار کیا اور غلو سے کام لیا‘‘۔

اس کتاب کے حاشیہ میں منقول ہے: عبداللہ بن سبا– غلو کرنے والا ملعون ہے،

(۱) دیکھئے: رجال الکشی، ص: ۱۰۷، ۱۰۸

امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس کو آگ میں جلوایا، وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت علی الٰہ (معبود) ہیں اور وہ نبی ہیں۔(۱)

۵- علامہ علی قہپائی (۱۰۱۶ھ)

فرماتے ہیں: عبداللہ بن سبا جس نے دوبارہ کفر اختیار کیا اور غلو کا اظہار کیا۔"

(رجال القہپائی: ۳/ ۲۸۴)

۶- علامہ اربلی (۱۱۰۱ھ):

فرماتے ہیں: "وہ غلو کرنے والا ملعون ہے...... "وہ حضرت علیؓ کی الوہیت اور نبوت کا عقیدہ رکھتا تھا"۔(۲)

۷- میرزا النوری طبرسی (۱۳۲۰ھ)

انہوں نے اپنی کتاب "مستدرک الوسائل" میں باب "حکم الغلاۃ والقدریۃ" میں عمار ساباطی کی ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "امیر المومنین مدائن تشریف لائے، کسریٰ کے ایوان میں آپؓ نے قیام فرمایا، آپ کے ساتھ کسریٰ کے (سابق) نجومی دلف بن مجیر بھی تھے، جب زوال کا وقت ہوا، آپ نے دلف سے کہا: میرے ساتھ آؤ...... (اس کے بعد فرماتے ہیں) پھر ایک بوسیدہ کھوپڑی پر ان کی نگاہ پڑی، انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: اس کھوپڑی کو اٹھاؤ، وہ وہاں پڑی ہوئی تھی، اس کے بعد ایوان میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے، پھر ایک طشتری منگوائی اور اس میں پانی ڈلوایا، اس شخص سے کہا: اس کھوپڑی کو طشتری میں ڈال دو، اس کے بعد اس سے یوں گویا ہوئے:

(۱) رجال الطوسی، ص: ۵۱ (۲) جامع الرواۃ: ۱/ ۴۸۵

کھوپڑی! میں تجھے قسم دیتا ہوں، مجھے بتاؤ میں کون ہوں؟ اور تم کون ہو؟ کھوپڑی نے فصیح زبان میں بولنا شروع کیا اور کہا: جہاں تک آپ کا تعلق ہے تو آپ امیر المومنین اور سید الوصیین ہیں، اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اللہ کا بندہ، اللہ کی بندی کا بیٹا: کسریٰ انوشروان ہوں۔ اہل ساباط سب کے سب اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے اور انہوں نے اپنی بستی کے لوگوں کو کھوپڑی سے سنی ہوئی تمام چیزیں بتائیں، امیر المومنین کے مفہوم کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا، وہ سب حضرت علیؓ کے پاس آئے، ان میں سے بعض نے حضرت علیؓ کے بارے میں وہ باتیں کہیں جو نصاریٰ عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں، یا عبداللہ بن سبا اور اس کے اصحاب حضرت علیؓ کے بارے میں کہتے ہیں، حضرت علیؓ کے اصحاب نے ان سے کہا کہ اگر آپ ان کو اسی حال میں چھوڑ دیں گے تو تمام لوگ کفر اختیار کر لیں گے! جب انہوں نے ان سے یہ بات سنی تو ان سے کہا: آپ لوگ کیا چاہتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا: ان کو بھی ویسے ہی جلا کر ختم کر دیجئے جیسے آپ نے عبداللہ بن سبا اور اس کے اصحاب کو جلایا"۔(۱)

فساد برپا کرنے والوں کی حقیقت اور ان کے غالی قسم کے اقوال کو بیان کرنے کے سلسلہ میں علمائے کرام کا طرز عمل یہی رہا ہے، ان غلو کرنے والوں نے اس مبارک شریعت میں کذب، افراط اور ہلاک کرنے والی چیزیں داخل کرنے کی کوششیں کیں، کیا واضح حق اور امیر المومنین کے بارے میں پہلے لوگوں کے اقوال ضائع ہو سکتے ہیں؟

(۱) مستدرک الوسائل: ۱۸/ ۱۶۹، مدینۃ المعاجز: ۱/ ۲۲۶

۲۔ فتنہ کا آغاز

عبداللہ بن سبا یہودی نے جس سازش کا جال بنا تھا اس کے مکمل ہونے کے بعد اختلاف اور معرکہ آرائی کا آغاز ہوا، کیونکہ اس نے بہت سے ضعیف الایمان اور ناواقف مسلمانوں کے اندر بغض وحسد اور کینہ پروری کی آگ لگائی تھی، یہ سازشیں اپنے ناپاک نتائج کے ساتھ تکمیل کو پہنچنے لگیں جن کا فائدہ سب سے زیادہ ان اوباشوں نے اٹھایا جنہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ان کو ان کے گھر میں شہید کر دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حالات اور زیادہ بگڑ گئے، مسلمانوں کی صفوں میں شر کے جراثیم اپنا زہر پھیلاتے ہوئے منتشر ہوتے گئے، جب خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو یہ سبئیہ خوارج اہل مدینہ اور مسلمان فوج کی صفوں میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت علیؓ کے لئے ان کا نکالنا، ان کا صفایا کرنا اور ان سے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفانؓ کے قتل کا بدلہ لینا اس وقت ممکن نہیں تھا، کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں اہل مدینہ کے مابین فتنوں اور معرکہ آرائی میں اضافہ نہ ہو جائے، جیسے کہ خلیفہ مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

جب حضرت علیؓ سے اہل مدینہ نے ان لوگوں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا جنہوں نے حضرت عثمان کے خلاف سازش رچی تھی، تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا: "میرے بھائیو! میں اس چیز سے ناواقف نہیں ہوں، جس کو تم لوگ جانتے ہو، لیکن میں طاقت کا استعمال کیسے کر سکتا ہوں جب کہ ہم طاقتور قوم کے قبضے میں ہیں، ہم ان پر کوئی قدرت

نہیں رکھتے ہیں، یہ دیکھئے ان کے ساتھ تمہارے غلام بھی باغی ہو گئے ہیں، ان کے پاس دیہات کے لوگ بھی جمع ہو گئے ہیں، وہ تمہارے درمیان ہیں جب تک کہ وہ چاہیں گے، کیا آپ کوئی ایسی گنجائش دیکھ رہے ہیں جس پر میں آپ کی رائے کے مطابق عمل کر سکوں؟ یہ جاہلی طرز کی صورتحال ہے، ان لوگوں کے پاس مادی قوت ہے، اس صورت حال میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ایک گروہ وہی سمجھتا ہے جو تم سمجھ رہے ہو، دوسرا گروہ وہ سمجھتا ہے جو تم نہیں سمجھتے ہو، اور ایک گروہ نہ یہ سمجھتا ہے اور نہ ہی وہ، لہذا اس وقت تک صبر کرو جب تک کہ لوگ پرسکون نہ ہو جائیں، اور دل مطمئن نہ ہو جائیں، اور اپنا اپنا حق طلب کرنے کے سلسلہ میں کچھ نرمی آ جائے، لہذا مجھے پریشان نہ کرو اور دیکھتے رہو اس صورتحال کے بارے میں میری طرف سے کیا حکم ملتا ہے، کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے طاقت پارہ پارہ ہو جائے، قوت ٹوٹ جائے اور اس کے بعد کمزوری لاحق ہو جائے، میں جب تک مناسب سمجھوں گا باگ ڈور سنبھالے رہوں گا اور جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو آخری علاج پھر آپریشن ہی ہے۔(۱)

اسی وقت سے صحابۂ کرام کے مابین فتنوں کا ظہور ہوا، جس کے نتیجے میں وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے جب کہ آراء میں اختلاف پایا گیا اور اجتہادات مختلف ہو گئے، ایک گروہ کی رائے تھی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان کے قاتلوں سے بدلہ لینا فوری طور پر واجب ہے، دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ اس میں مہلت کی ضرورت ہے یہاں تک کہ امیر المومنین کے لئے معاملہ بالکل واضح ہو جائے، اسی کے دوران اہل فساد

---

(۱) نہج البلاغہ، ص: ۲۴۳، بحار الانوار: ۳۱/۵۰۲

اور فتنہ پرور لوگ ان مختلف آراء رکھنے والوں کے درمیان داخل ہو گئے۔

اس اختلاف وانتشار کی کیفیت کے بعد فتنہ پرور لوگوں کو اس پر بھی چین نہیں آیا بلکہ انہوں نے تفریق واختلاف اور فتنہ پروری کے لئے ہر موقع کو غنیمت سمجھا یہاں تک کہ مکہ سے صحابہ کی ایک جماعت کو عراق کی طرف نکالنے میں کامیاب ہو گئے، جذبات کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی یہاں تک کہ جنگ جمل کا معرکہ ظہور پذیر ہوا۔

جنگ جمل

تاریخی روایات میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ اور مکہ سے عراق کی طرف ان کے ساتھ نکلنے والے دوسرے لوگ قتال کے ارادہ سے، یا قتال کی طرف بلانے کی نیت سے یا حضرت علیؓ سے خلافت چھیننے کے لالچ میں نہیں نکلے تھے بلکہ وہ اصلاح کی نیت سے اختلافات کو فرو کرنے، مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے اور ان کو عراق میں موجود مسلمانوں کی صفوں سے نکالنے کے ارادہ سے نکلے تھے۔

کتب تاریخ میں ان کے نکلنے کے یہی اسباب موجود ہیں، جنگ جمل کا یہ معرکہ آخری معرکہ نہیں تھا بلکہ اس کے کچھ ہی زمانہ بعد معرکہ صفین بھی پیش آیا۔

مندرجہ ذیل سطور میں اس خطرناک واقعہ کا مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے:

جب حضرت علیؓ کی فوج اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کی فوج کے درمیان اس بات پر

اتفاق ہونے ہی والا تھا کہ اپنی صفوں سے ان خوارج کو نکالا جائے اور ان کو قتل کیا جائے، ہر فوج اپنی اپنی چھاؤنی میں واپس چلی گئی، لیکن ان خوارج کو یہ مبارک اتفاق اور امن کی فضا پسند نہیں آئی، کیونکہ اس میں ان کے قتل اور سزا دینے پر اتفاق ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے دونوں لشکروں کے درمیان فتنہ پروری اور ان کے درمیان جنگ کی آگ کو ہوا دینے کی مہم تیز کر دی، اس سلسلہ میں انہوں نے ایک دوسری ایسی سازش رچی جس سے ان کے مکر وفریب اور غداری کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ رات میں دونوں فوجوں کے کچھ افراد کو قتل کیا جائے، تاکہ ہر فریق یہ سمجھے کہ دوسرے نے عہد شکنی اور غداری کی ہے، اصل صورتحال دونوں فریقوں سے مخفی رکھی گئی، یہ سازش دونوں افواج کے مابین جنگی صورتحال پیدا کرنے کا سبب بن گئی۔

معرکہ صفین

معرکہ صفین اپنے مقاصد یا صورتحال کے اعتبار سے واقعہ جمل سے کچھ مختلف نہ تھا، اسی لئے مورخین نے اس کی صراحت کی ہے کہ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین اختلاف وقتال کا سبب یہ نہیں تھا کہ حضرت معاویہ خلافت کے شوقین یا مدعی تھے، جیسے کہ بعض لوگوں نے اس چیز کو عام کرنے اور ترویج دینے کی کوشش کی ہے۔

حضرت معاویہؓ نے سرے سے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی مسلمانوں میں سے کسی نے ان سے اس پر بیعت کی، اور نہ ہی انہوں نے حضرت علیؓ سے اس بات پر اختلاف کیا کہ وہ خلیفہ کیوں ہیں؟ بلکہ خلیفۃ المسلمین حضرت علی بن ابی طالب اور امیر شام حضرت معاویہ کے مابین سبب اختلاف یہ تھا کہ حضرت معاویہ نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی

تعمیل نہیں کی، اور وہ یہ تھا کہ وہ شام کی ولایت سے معزول ہو جائیں اور خلیفہ (حضرت علی) کی خلافت کو تسلیم کریں۔

امیر المؤمنین نے معاملہ کی وضاحت کے لئے عام کی گئی افواہوں کی تردید کے لئے اور مسلمانوں کے انتشار کو کم کرنے کے لئے حضرت معاویہ کو ایک خط لکھا، اس میں اپنے سے پیشرو خلفاء کی طرح اپنی خلافت کے حق بجانب ہونے کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے خون سے اپنی برائت کا اظہار کیا ہے، اس خط میں فرماتے ہیں:

”مجھ سے انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بیعت کی اور انہی چیزوں پر بیعت کی جن پر انہوں نے بیعت کی تھی، موجود شخص کے لئے اختیار اور غائب شخص کے لئے رد کرنے کی آزادی نہیں ہے، کیونکہ مہاجرین وانصار سب کی مشاورت کے بعد فیصلہ ہوا ہے، اگر یہ سب لوگ کسی شخص کے بارے میں اتفاق کر لیں اور اس کو امام قرار دے دیں تو اس میں اللہ کی خوشنودی ہوگی، اگر ان کے دائرہ سے کوئی شخص کسی طعن وتشنیع کی وجہ سے یا بدعت کی وجہ سے نکل جائے، اس کو وہ سب اصل حالت پر واپس لائیں گے، اگر وہ نہیں مانے گا تو وہ اس سے راہِ حق کی اتباع کرانے کے لئے قتال کریں گے، اور اللہ اس کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا، خدا کی قسم! اے معاویہ! اگر آپ اپنے نفس کے بجائے اپنی عقل سے کام لیں تو مجھے عثمانؓ کے خون سے سب سے زیادہ بری پائیں گے اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اس سے بالکل الگ تھا الا یہ کہ نا کردہ گناہ کا بار میرے سر پر ڈالو تو جو اچھا لگے وہ کرلو، والسلام علیکم (۱)

(۱) نہج البلاغہ، ص ۳۶۶، بحار الانوار: ۳۳/ ۷۶

پھر جب مسلمانوں کے مابین قتال شروع ہوا اور ان کے مابین کافی خون بہا تو معرکہ کا خاتمہ اس پر ہوا کہ جیش معاویہ نے قرآن بلند کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ ان کے درمیان اللہ کی خوشنودی کے مطابق فیصلہ کیا جائے، خلیفۃ المسلمین حضرت علیؓ اس مطالبہ پر راضی ہو گئے، اس کے بعد حضرت علیؓ کوفہ اور حضرت معاویہؓ شام ان شرائط کے ساتھ واپس ہو گئے جن پر فریقین کا اتفاق ہوا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے لوگوں کو اپنے درمیان اور اہل صفین کے مابین طے شدہ اتفاق کے بارے میں باخبر کیا اور کہا: ”ابتدائی مرحلہ میں ہم اور اہل شام ملے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا رب ایک، ہمارے نبی ایک، اور اسلام کے بارے میں ہماری دعوت ایک، اللہ پر ایمان لانے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور نہ ہی وہ ہم سے فائق ہیں، تمام امور میں اتفاق ہے، ہمارے درمیان اختلاف صرف عثمان کے خون کے بارے میں ہوا ہے حالانکہ ہم اس سے بالکل بری ہیں“۔ (۱)

یہ معاملہ کسی سے مخفی نہیں تھا اور جو کچھ صفین میں صحابہ کے مابین ہوا یہ بھی نہ ہی مسلمانوں سے اور نہ ہی کسی اہل بیت کے فرد سے پوشیدہ تھا بلکہ پوری صورتحال معلوم اور ظاہر تھی، ائمہ بھی اس پر آپس میں گفتگو کرتے تھے، چنانچہ امام جعفر صادق نے اپنے والد محترم سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے حریفوں کے بارے میں کہتے تھے: ”ہم نے اس لئے جنگ نہیں کی کہ ہم ان کی تکفیر کرتے ہوں، اور نہ ہی اس لئے جنگ کی کہ وہ ہماری تکفیر کرتے تھے، لیکن بات یہ تھی کہ ہم سمجھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ حق پر ہیں“۔ (۲)

(۱) نہج البلاغہ، ص ۴۴۸، بحار الانوار: ۳۳/ ۳۰۶　(۲) قرب الاسناد، ص: ۴۵، بحار الانوار، ۳۲/ ۳۲۴

صحابہ کے مابین جو کچھ اختلافات ہوئے اور اس کے بعد اصلاح اور تحکیم پر سب تیار ہوئے، فریقین نے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا، اس سے وہ قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق ہوئے اور یہ صورت حال ہمیں اس آیت کو یاد دلاتی ہے: " وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله فإن فاءت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا إن الله يحب المقسطين إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون " (الحجرات : ۹—۱۰)

ترجمہ: ''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا''۔

شیخ محمد باقر ناصری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا '' یعنی: مؤمنین میں سے دو گروہ جب ایک دوسرے سے قتال کریں ''فأصلحوا بينهما '' یعنی: ان کی اصلاح کے سلسلہ میں حتی الوسع کوشش کرو'' فإن بغت إحداهما على الأخرى '' یعنی: اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے، اس طور پر کہ ایسی چیز کا مطالبہ کرے جس کی وہ مستحق نہ ہو اور وہ ظالمانہ طریقے سے حدود سے تجاوز کرتے ہوئے جنگ پر آمادہ ہو،

مظلوم گروہ کی مدد کرو''فقاتلوا التي تبغي '' یعنی: جو زیادتی کرے اس سے قتال کرو اس لئے کہ وہ ظلم کرنے والا گروہ ہے''حتى تفيء إلى أمر الله '' یعنی: یہاں تک کہ وہ اللہ کا حکم مان لے اور ظلم و زیادتی ترک کر دے، اگر اس نے رجوع کر لیا اور توبہ کر لی تو ان دونوں کے درمیان پھر سے صلح کی کوشش کرو''بالعدل ''عدل کے ساتھ ظلم یا کسی ایک کا ساتھ دیئے بغیر''وأقسطوا '' یعنی: عدل و انصاف سے کام لو،'' إنما المؤمنون إخوة '' مومن دینی بھائی ہیں، لہذا فریقین کے مابین صلح کراؤ، مظلوم کی اعانت کرو اور ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو۔ (۱)

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا مقصد اصلاح کی کوشش اور مسلمانوں کے انتشار و اختلاف کو دور کرنا ہی تھا، مسلمانوں کے دلوں سے بغض و عناد اور نفرت پیدا کرنے والی تمام چیزوں کو دور رکھنا مقصود تھا، اسی لئے امیر المؤمنین حضرت علیؑ ہر اس چیز سے دور رہے جو بھی نفرت اور صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی باعث تھی، ایسی چیزوں میں سے ایک چیز ایک دوسرے کے بارے میں بدزبانی بھی ہے، اس لئے حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کے تمام افراد کو حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے لشکر پر لعن طعن کرنے اور برا بھلا کہنے سے منع کر دیا حالانکہ ان کے مابین معرکہ آرائی کا ماحول تھا۔

حضرت عبد اللہ بن شریک سے مروی ہے فرماتے ہیں: حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق اہل شام سے براءت کرتے ہوئے اور ان پر لعنت کرتے ہوئے نکلے، حضرت علیؑ نے ان دونوں کو کہلوایا کہ: مجھے تمہارے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے اس سے باز آ جاؤ، وہ

(۱) تفسیر مختصر مجمع البیان ۳/ ۳۰۸، مزید دیکھئے تفسیر المعین، بیان المعاذة، منتخبات اندر رالمیزان، الکاشف، سورۃ الحجرات: ۹-۱۰

دونوں خود آپؑ کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: کیوں نہیں، دونوں نے کہا: پھر آپ نے ہم کو انہیں برا بھلا کہنے سے کیوں منع کر دیا؟ آپؑ نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں یہ پسند نہیں ہے کہ تم لعنت کرنے والے اور برا بھلا کہنے والے بن جاؤ، لیکن اگر تم ان کی غلطیاں بیان کرو اور یہ کہو کہ ان کا کردار ایسا ہے، یہ کہنا زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے، ان پر لعنت کرنے اور ان سے براءت کا اعلان کرنے کے بجائے یہ کہو: ”اے اللہ ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ رکھ، ہمارے اور ان کے مابین حالات کو درست فرما، ان کو صحیح راہ پر آنے کی توفیق دے، یہاں تک کہ حق سے ناواقف شخص بھی ان سے حق کو جان لے، اور ظلم و زیادتی کرنے والا اور گمراہ باز آ جائے“۔ ایسا کہنا مجھے زیادہ پسند ہے اور تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے“۔(۱)

حضرت علیؑ کی جانب سے یہ ممانعت صرف اپنے ہی گروہ کے لئے نہیں تھی بلکہ یہ ممانعت واضح طور پر سب کے لئے تھی اور انہوں نے اپنے پورے لشکر کو اس کی وصیت کی تاکہ یہ ممانعت ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے عمومی رہے، اس لئے انہوں نے صفین میں بھی اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”مجھے تمہارے بارے میں یہ بات ناپسند ہے کہ تم برا بھلا کہو، لیکن اگر تم ان کے کاموں کو بیان کرو اور ان کی اصل صورتحال کا تذکرہ کرو، یہ زیادہ بہتر اور مناسب ہے، ان کو گالی دینے کے بجائے یہ کہو: اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ رکھ اور ہمارے اور ان کے مابین حالات کو درست فرما“۔(۲)

---

(۱)　مستدرک الوسائل: ۱۲/۳۰۶، بحار الانوار: ۳۲/۳۹۹، وقعۃ صفین: ص: ۱۰۲

(۲)　نہج البلاغہ: ص: ۳۲۳، بحار الانوار: ۳۲/۵۶۱

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد

جب حضرت علیؑ کو غدار خارجی ابن ملجم کے ہاتھوں شہید کیا گیا تو آپؑ کے صاحبزادہ حضرت حسنؑ سے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے بیعت کی گئی، انہوں نے جلد ہی مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کر دیا اور ان کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا ظہور ہوا۔

حضرت ابو بکرہ نفیع بن حارث ثقفی سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - کو اس حال میں دیکھا کہ حضرت حسن بن علیؑ آپ کے پہلو میں تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی ان کی طرف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: میرا یہ نواسا سردار ہے، شاید اللہ تعالی اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین صلح کا کام لے“۔(۱)

امام حسن بن علیؑ نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی لگائی تھی کہ وہ لوگوں کے مابین کتاب و سنت اور خلفائے راشدین کے طریقہ کے مطابق فیصلہ کریں۔(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ اور معاویہؓ کے درمیان اخوت کا تعلق اور دینی شفقت و ہمدردی تھی حالانکہ دونوں کے مابین اجتہادی اختلاف بھی تھا، چنانچہ حضرت معاویہؓ جب بھی حضرت علیؑ کو ان کی شہادت کے بعد یاد کرتے تو ان کے غم میں

---

(۱)　کشف الغمہ: ۱/۵۱۹، بحار الانوار: ۴۳/۲۹۸، بحوالہ الامالی: ۱/۱۰۲

(۲)　کشف الغمہ: ۱/۵۷۰، بحار الانوار: ۴۴/۲۴

روتے اور ان کے لئے رحم کی دعا کرتے۔

اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے، کہتے ہیں کہ ضرار بن ضمرۃ نہشلی حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس گئے تو حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا: حضرت علیؓ کے اوصاف مجھ سے بیان کیجئے، انہوں نے کہا: کیا آپ مجھے معاف نہیں کریں گے، حضرت معاویہؓ نے کہا: نہیں، آپ بیان کیجئے۔

حضرت ضرار نے کہا: اللہ کی رحمت ہو حضرت علیؓ پر! خدا کی قسم ہمارے درمیان رہتے ہوئے وہ ایک عام آدمی کی طرح رہتے تھے، جب ہم ان کے پاس جاتے تو ہماری طرف متوجہ ہو جاتے، جب ہم ان سے سوال کرتے تو جواب دے دیتے، جب ہم ان کی زیارت کرتے تو ہم کو اپنے سے قریب کرتے، ہمارے لئے ان کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی دربان ان سے روکنے والا ہوتا، واللہ! ہمیں اتنا قریب کرنے کے باوجود ہم رعب اور ہیبت کی وجہ سے ان سے بات نہیں کر پاتے اور ان کی عظمت کی وجہ سے ہم بات شروع نہیں کر پاتے، جب وہ تبسم فرماتے تو لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح لگتے۔

یہ سن کر حضرت معاویہ نے کہا: اور مزید ان کے اوصاف بیان کرو، حضرت ضرار نے کہا: اللہ کی رحمت ہو حضرت علیؓ پر، خدا کی قسم! بہت زیادہ شب بیداری کرنے والے اور کم سونے والے تھے، رات میں اور دن کے مختلف اوقات میں کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے......

راوی کہتے ہیں: یہ سن کر حضرت معاویہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور کہا: اے ضرار! بس کرو، واللہ! علی ایسے ہی تھے، اللہ کی رحمت ہو ابوالحسن پر۔(۱)

---

(۱) بحارالانوار: ۴۱/۱۴، امالی الصدوق ۶۲۴

یہ حال تھا ماضی میں ان دینی بھائیوں کا، ان کا اجتہادی اختلاف ان کے لئے ایک دوسرے پر رحم و شفقت کرنے اور اپنے والوں کو بغض و عناد سے دور رکھنے میں مانع نہیں بنا، ماضی کے واقعات کو سمجھنے کے لئے تاریخ بہترین معاون ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسے تمام اقوال کے بارے میں چوکنا رہا جائے جن کی بنیاد صرف برانگیختہ کرنے والے جذبات پر ہوتی ہیں جو مسلمانوں کو غلط رخ دینے کا ذریعہ بنتے ہیں، اس کے بعد شیطان کی گمراہی اور اس کے اشکالات کے سوا کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہوتی ہے، وہ ان کے لئے فیصلہ کن ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی امان میں رکھے۔

☆☆☆

چوتھا باب

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش

صحابہ کے مابین ہونے والے اختلاف وانتشار کو بہت سے مستشرقین اور ان سے متاثر ہونے والوں نے ان پر طعن وتشنیع کرنے اور ان کی عدالت کو مجروح کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

بہت سے قدیم وجدید مؤلفین نے بھی انہی کی طرح طعن وتشنیع کا رویہ اختیار کیا ہے، وہ ایسے لوگ ہیں جو جھوٹی باتوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، ایسی باتیں لکھ دیتے ہیں جن کو وہ خود بھی نہیں جانتے ہیں اور ایسی چیزیں زبان سے بولتے ہیں جن کو وہ بولنا نہیں جانتے ہیں اور اس کے بعد وہ اپنے آپ کو صحابہ کرام کے بارے میں حاکم وفیصل بنا لیتے ہیں، ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیتے ہیں اور بغیر کسی حجت ودلیل کے دوسروں کو غلط قرار دیتے ہیں، وہ یہ سب کچھ صرف مستشرقین کی اتباع وپیروی میں کرتے ہیں۔

ان مؤلفین نے اپنے باطل اور اپنے بے بنیاد کلام کی تقویت کے لئے متعدد شبہات، واشکالات کا سہارا لیا ہے، تاریخ کو مسخ کرکے مسلمانوں کے مابین بغض وعناد اور اختلافات کے بیج بونے کے لئے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، ان شبہات میں سے مندرجہ ذیل شبہات بطور مثال پیش کئے جا رہے ہیں:

۱۔ صحابہ کرام کی عدالت کو مجروح کرنے کی سازش

مستشرقین نے ہمارے دین کے بارے میں بعض کمزور اور بے بنیاد شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی مثلاً ان کا یہ اعتراض کہ:

کیا کوئی بھی عقل مند انسان اس کو تسلیم کرسکتا ہے کہ انسان قرآن سے ماخوذ اپنے دستور وقانون اور منہج حیات ایسے انسانوں سے حاصل کرے جن سے لغزشیں ہوئی ہوں اور انسان ان کے احوال کے بارے میں غیر مطمئن ہو؟

اس طرح کے شبہات اور زہر آلود اشکالات عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں پیدا کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی عام صحابی کو مورد الزام ٹھہرایا جائے، تاریخ نے جس کے بارے میں خاموشی اختیار کی یا بہت ہی کم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہو، یا کسی عام صحابیہ کے بارے میں اتہام لگایا جائے جس سے لغزش ہوئی ہو اور اس نے اعتراف کرکے سزا بھی پائی ہو، یا کوئی ایسا شخص جس نے شراب پی ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد بھی جاری کردی ہو، اسی طرح نہ ہی ان شبہات کے ذریعہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو نشانہ بنانا مقصود ہے جن سے ایک اجتہادی لغزش سرزد ہوئی تھی جب کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے میں مطلع کرنے کی کوشش کی، ان سب حضرات نے تو اللہ سے توبہ کرلی تھی، انہوں نے استغفار وتوبہ بھی کی اور بعض پر حد بھی قائم کی گئی اور اللہ ان سب سے راضی ہوا۔

لیکن ان شبہات اور طعن وتشنیع کا اصل نشانہ اکابر جلیل القدر صحابہ کرام ہیں، ان کے بارے میں جھوٹے اور بے بنیاد واقعات گڑھ کر اور ان کے مابین اختلافات کو مزید ہوا

دے کر اللہ کے دین مبین کی روشنی کو بجھانے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے، سب سے پہلے صحابہ کرام کی عدالت پر حملہ کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ اللہ کی اس کتاب (قرآن کریم) کو مشکوک بنانا مقصد ہوتا ہے جس کو ان صحابہ کرام نے نقل کیا، محفوظ کیا، اسی طرح احادیث نبویہ کو مشکوک بنانا مقصود ہوتا ہے جن کے ذریعہ تشریع (قانون سازی) کا عمل مکمل ہوا، اس طریقہ سے پھر مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف وتفریق پیدا کرنا اور ان کی بنیادوں میں تزلزل پیدا کرنے والے فتنوں اور بغض وعناد کو جنم دینا آسان ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے مابین صحابہ کرام سے متعلق جن بے بنیاد احادیث کو عام کیا جا رہا ہے اس سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس قسم کی احادیث مختلف کتب میں موجود ہیں۔

عجیب وغریب بات ہے کہ صحابہ کے مابین اختلاف وتفریق پر دلالت کرنے والی احادیث میں کوئی ایک بھی روایت صحیح نہیں ہے جس کی سند متصل ہو اور عادل وثقہ رواۃ نے اس کو بیان کیا ہو لیکن ہمیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ:

۱- صحابہ کرام کی تعریف وثنا خوانی کتاب اللہ اور سنت نبویہ میں موجود ہے اور اہل بیت کی زبانی بھی پورے ثبوت کے ساتھ موجود ہے۔

۲- یہ مقولہ کہ (نعوذ باللہ) صحابہ میں منافقین بھی تھے، جھوٹ اور افترا اندازی ہے، اس لئے کہ منافقین کا سرے سے صحابہ سے کوئی تعلق ہی نہیں، اور اکثر منافقین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو شخصیات کے اعتبار سے بھی اور اوصاف کے اعتبار سے بھی معلوم تھے، اس لئے کہ قرآنی آیات نے ان کی جملہ حرکات وسکنات کو بیان کیا ہے، بلکہ ان کے قلبی امراض وخیالات کا پردہ بھی فاش کر دیا ہے۔

غزوۂ تبوک پر ہی ہم بطور مثال ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں، یہ آخری غزوات میں سے ہے، اس موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ تھے جو کمزور اعذار کی بنا پر مثلاً رومیوں کی عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے یا اسی طرح کے دوسرے بے سر و پا اعذار کی وجہ سے مخلفین میں رہے، ایسے اعذار عموماً منافقین پیش کیا کرتے تھے، جب بھی جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا جاتا۔

قرآن کریم میں اس کا تذکرہ کئی مقامات پر کیا گیا ہے جب کہ صحابہ کی اکثریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکل گئی تھی اور مدینہ میں صرف وہ شخص باقی رہا جس کا نفاق معلوم تھا، یا جس کے پاس کوئی عذر شرعی تھا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہاں رہنے کی اجازت دی ہو۔

منافقین معروف ومعلوم تھے، وہ صحابہ میں سے نہیں تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے مدینہ کے صرف ان تین لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا ذکر کیا ہے جو بغیر کسی عذر شرعی کے غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور ایسا ان کے اخلاص اور صدق ایمانی کی بنیاد پر ہوا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے نہ نکلنے اور ان کی توبہ قبول ہونے کو یوں بیان کیا ہے: "**وعلى الثلاثة الذين خلفوا حتى إذا ضاقت عليهم الأرض بما رحبت وضاقت عليهم أنفسهم وظنوا أن لا ملجأ من الله إلا إليه ثم تاب عليهم ليتوبوا إن الله هو التواب الرحيم**" (توبہ:۱۱۸)

ترجمہ: "اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی

کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے"۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ سورہ توبہ کی ان آیات کے ذریعہ اہل مدینہ کو غزوہ تبوک کے بعد تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، چوتھی قسم کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے چوتھی قسم وہ ہے جن کو مدینہ میں رہنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی، جیسے کہ حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ اور وہ تنگدست لوگ جن کے پاس جہاد کی تیاری کے لئے کچھ میسر نہیں ہو سکا۔

سورہ توبہ کی ان آیات میں یہ مذکور ہے کہ رب رحمٰن نے ان صحابہ کی توبہ قبول کی جو معرکہ میں شریک تھے، پہلی آیت میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ پہلی قسم ہے، دوسری آیت میں مدینہ کے منافقین کو اس سے مستثنیٰ کیا جو غزوہ تبوک میں نہیں نکلے تھے، یہ دوسری قسم ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تین صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے جو غزوہ میں شریک نہیں ہو پائے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدق بیانی کی وجہ سے ان کی توبہ قبول فرمائی، یہ تیسری اور آخری قسم ہے۔

لہٰذا ان لوگوں میں نفاق کہاں سے آتا حالانکہ جو کچھ ہوا تھا اس پر تمام آیات واضح طور پر روشنی ڈالتی ہیں۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے ان کو اس بات کا خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں نفاق میں مبتلا نہ ہوں۔

سلام بن مستنیر سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں ابو جعفر۔ علیہ السلام۔ کے پاس تھا اور ان کی خدمت میں حمران بن اعین حاضر ہوئے اور انہوں نے ان سے کچھ چیزوں کے

بارے میں سوال کیا، پھر جب حمران نے جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ابو جعفر سے کہا: اللہ آپ کی عمر دراز کرے اور ہمارے اوپر آپ کا سایہ تا دیر ہے، مجھے بتایئے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو یہاں ہمارے دلوں میں رقت پیدا ہوتی ہے، دنیا کے بارے میں ہمارے اندر بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کی دولت ہمارے لئے ہیچ ہو جاتی ہے، پھر اس کے بعد جب ہم آپ کے پاس سے نکلتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اور تجارت میں مگن ہو جاتے ہیں تو دنیا ہمارے لئے محبوب بن جاتی ہے، کہتے ہیں اس کے بعد ابو جعفر نے کہا: یہ دل ہیں جو کبھی سخت ہوتے ہیں اور کبھی نرم ہوتے ہیں، پھر ابو جعفر نے کہا: جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے تو وہ کہا کرتے تھے: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو ہمارے بارے میں نفاق کا خوف ہے؟ آپؐ نے ان سے دریافت کیا: کیوں اس کا خوف لاحق ہوا؟ انہوں نے جواب دیا: جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں نصیحت کرتے ہیں اور ترغیب دیتے ہیں تو ہمارے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے، دنیا کو ہم بھول جاتے ہیں اور اس کے بارے میں بے رغبت ہو جاتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ ہم جنت و جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، یہ اس وقت کی کیفیت ہوتی ہے جب کہ ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں جب ہم آپ کی مجلس سے نکلتے ہیں اور اپنے گھروں میں داخل ہوتے ہیں، اپنے بچوں کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں اور اہل و عیال اور بچوں کو دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ کیفیت بدل گئی جو آپ کے پاس محسوس کرتے تھے، یہاں تک کہ ایسا لگتا ہے گویا کہ ایسی کیفیت ہی نہیں تھی، کیا ہمارے بارے میں آپ کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہمارے اندر نفاق ہو؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہرگز نہیں، یہ شیطان کے حربے ہیں تا کہ دنیا کے بارے میں تم کو ترغیب دے، واللہ! اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہو جو تم نے اپنے بارے میں

بیان کی ہے تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں اور تم پانی پر چلنے لگو، اگر تم گناہ نہ کرتے اور اس کے بعد استغفار نہ کرتے ہوتے تو اللہ کسی اور کسی مخلوق کو پیدا کرتا جو گناہ کریں پھر استغفار کریں، اور اللہ ان کی مغفرت کرے، مؤمن فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا ہے: " إن اللــــه يحـــب التـــوابين ويحـــب المتطهرين" ترجمہ: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور خوب پاکی حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "استغفروا ربكم ثم توبوا إليه" (ہود: ۳)

یعنی: اپنے رب سے استغفار کرو اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو۔(۱)

۳- تمام صحابہ اجماع کے بارے میں معصوم ہیں، یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کے بارے میں اجماع کر کے اس کو حلال کریں اور اس پر عمل کریں، جہاں تک ان میں سے بعض افراد سے لغزشوں کے وقوع کا تعلق ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انفرادی طور پر وہ معصوم نہیں ہیں، لیکن یہ لغزشیں ان کی عدالت کے سلسلہ میں قادح نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے مقام ومرتبہ پر اثر انداز ہونے والی ہیں۔

بالعموم ان کی عدالت پر دلالت کرنے والی سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ ائمہ نے صحابہ کی ان تمام روایات کی جانچ پڑتال کی جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، پوری تحقیق کے بعد کسی صحابی کے بارے میں کوئی ایک بھی معمولی جھوٹ تک ثابت نہیں ہوا جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بولا ہو، حالانکہ

(۱) الکافی ۲/۴۳۳، بحار الانوار: ۶/۳۱، تفسیر العیاشی: ۱/۱۰۹، مجموعہ ورام: ۲/۲۱۰

ان کے عہد کے اخیر میں قدریہ، خوارج اور مرجئہ کی جانب سے بدعات کا کافی ظہور ہو چکا تھا، اور ان سب بدعات کی بلیاؤ کمزور عقل اور فاسد رائے کو فیصل وحاکم بنانا تھا لیکن اس کے باوجود ان مبتدعین میں ایک بھی صحابی نہیں پائے گئے، اس سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا، ان کی حفاظت فرمائی، ان کو ممتاز مقام سے نوازا، ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب فرمایا اور انہوں نے اللہ کے دین کو دنیا کے اندر عام کیا۔

ابو عبد اللہ- رضی اللہ عنہ- فرماتے ہیں: "صحابہ کرام کی تعداد بارہ ہزار تھی، آٹھ ہزار کا تعلق مدینہ سے تھا اور دو ہزار کا تعلق مکہ سے اور دو ہزار کا تعلق طلقاء سے تھا، لیکن ان میں سے نہ کوئی قدری تھا، نہ مرجئی، نہ حروری، نہ معتزلی اور نہ ہی رائے کی پیروی کرنے والا، دن رات ان کی آنکھیں اشکبار رہتیں اور کہتے رہتے: اے اللہ! فتنوں کے ظہور سے پہلے ہماری روح قبض فرما۔(۱)

امام صادق علیہ السلام نے صحابہ کرام کی عدالت کو بیان کیا ہے کیونکہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ تمام صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو صدق وصفائی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

منصور بن حازم سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا: میں جب آپ سے کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کرتا ہوں تو آپ مجھے اس کا ایک جواب دیتے ہیں، اس کے بعد کوئی اور شخص آپ کے پاس آتا ہے تو آپ اس کو دوسرا جواب دیتے

(۱) الخصال: ۲/۶۳۹، بحار الانوار ۲۲/۳۰۵

ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم لوگوں کو کمی و زیادتی کے ساتھ جواب دیتے ہیں، کہتے ہیں: میں نے ان سے دریافت کیا: مجھے صحابہ کرام کے بارے میں بتایئے انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صدق بیانی سے کام لیا، یا جھوٹ بولا؟ انہوں نے کہا: بلکہ انہوں نے تو صدق بیانی سے کام لیا، کہتے ہیں میں نے پوچھا: پھر ان کے درمیان اختلاف کیوں ہوا؟ انہوں نے جواب دیا: کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو جواب دیا کرتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اس کو دوسرا جواب دیتے تھے جس سے پہلا جواب منسوخ ہوتا، اس لئے احادیث کے ذریعہ بھی بعض احادیث منسوخ ہوتی ہیں۔"(۱)

اگر کوئی مدعی -علی سبیل المثال- صحابہ کرام سے جھوٹ کے وقوع کے بارے میں یا ان کے دلوں میں نفاق پائے جانے کی کوئی دلیل لے کر آئے تو اس سے سب سے پہلے یہ سوال کیا جانا چاہئے: اس دعوی سے بعض کے مستثنی ہونے کی دلیل کیا ہے؟

۴- صحابہ کے عادل ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ وہ ہر قسم کی لغزشوں سے بھی بالکل معصوم ہوں، اس لئے کہ وہ بشر ہیں، ان سے خطاؤں کا بھی امکان ہے، اگر چہ ان کی خطائیں ان کی نیکیوں کے سمندر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔

ان کو ایسے فضائل و مقامات حاصل ہیں جن میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے، انہوں نے ہی اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و مدد کی جب کہ تمام عرب کے

(۱) الکافی: ۱/۶۵، بحارالانوار: ۲/۲۲۸

لوگ آپ کے خلاف صف آراء تھے، انہوں نے اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اپنے آباء، اپنے بھائی اور اپنے خاندان کے لوگوں سے جنگ کی، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنی جانیں قربان کیں، ہم تک اس عظیم دین کے پہنچنے کا اصل ذریعہ یہی صحابہ کبار ہیں، یہی چیز ان کی تمام خطاؤں کے لئے کفارہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: "فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوكل على الله إن الله يحب المتوكلين "(آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: "اے پیغمبر! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے، ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں"۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں: "اگر عدالت اس کو مجروح کرنے والی کسی چیز کے ارتکاب سے ختم ہو جاتی ہے تو بالاتفاق توبہ کرنے سے پھر ایسا شخص عدالت کے مقام پر فائز ہوتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص پر کسی معصیت کی وجہ سے حد جاری کر دی گئی اس کے بعد اس نے توبہ کی تو وہ پھر مرتبہ عدالت پر فائز ہوگا اور اس کی گواہی مقبول ہوگی، بعض لوگوں نے اس کے سلسلہ میں اجماع ہونے کا تذکرہ کیا ہے"۔(۱)

(۱) بحارالانوار: ۸۵/۳۰

سید ابو القاسم الخوئی کہتے ہیں: ''معصیت کے ارتکاب سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور ندامت و توبہ سے انسان دوبارہ مرتبہ عدالت پر فائز ہو جاتا ہے، اس میں گناہ صغیرہ یا کبیرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے''۔(۱)

سید محمد حسین فضل اللہ معاصر ائمہ کی عدالت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے صحابہ کے مقابلہ میں ان کا مقام کہیں کم ہے: ''عدالت عصمت کو مستلزم نہیں ہے، بسا اوقات ایک عادل مؤمن سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے، پھر متنبہ ہونے کے بعد تائب ہو جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہوتا ہے: ''إن الذين اتقوا إذا مسهم طائف من الشيطان تذكروا فإذا هم مبصرون ''. (الأعراف: ۲۰۱)

ترجمہ: ''حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جائے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے۔''

البتہ عدالت کا ثبوت کیسے ہوگا؟ معاشرہ میں ظاہری و عمومی طرز عمل کے ذریعہ اس کا ثبوت ہوگا، اس طور پر کہ لوگ اس کو ایک ایسا انسان سمجھتے ہوں جو دینی اعتبار سے انفرادی اور اجتماعی اخلاق کے اعتبار سے شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے صحیح راہ پر گامزن ہو، یا لوگوں میں اس کی عدالت کا اتنا چرچا ہو کہ اس سے علم یقینی یا اطمینان حاصل ہوتا ہو، یا اس کی عدالت کی گواہی کوئی قابل اعتماد ثقہ انسان دے، فاسق کی منفی یا ایجابی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں''۔(۲)

---

(۱) منہاج الصالحین ۱/۲ (۲) المسائل الفقہیہ ۳/۲۷۱

۲- صحابہ کی سیرت کو داغدار کرنے کی کوشش

گذشتہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ مستشرقین اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کرنے والے اعدائے اسلام نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے متنوع خطرناک ترین حربے استعمال کئے ہیں، ان کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت وحیات کو داغدار کرنا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے وہ تمام وسائل وذرائع کو جائز سمجھتے ہیں، اس کے خطرناک نتائج اور المناک اثرات مرتب ہوئے، مثلاً ان پر طعن وتشنیع کرنے، ان کو برا بھلا کہنے اور ہر قبیح بات کو ان کی جانب منسوب کرنے کو جائز سمجھ لیا گیا۔

گذشتہ اسالیب وذرائع کے علاوہ اور بھی ناپاک حربے اختیار کئے گئے، مندرجہ ذیل سطور میں ان پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں:

۱- مختلف بے بنیاد واقعات گڑھے گئے، کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی اور متعدد صحابہ کرام کے بارے میں بھی۔

۲- صحیح واقعات میں حذف واضافے سے کام لیا گیا، یا ان کو ایسی حدیث کی کتابوں کی جانب منسوب کیا گیا جن میں یہ موجود نہیں ہیں۔

۳- قرآن پاک اور احادیث میں مذکور صحیح واقعات کی غلط تاویلات اور تشریحات کی گئیں جو ان کی خواہش، اعتقادات اور بدعات وخرافات سے میل کھاتی ہوں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی تاویلات کے بارے میں پہلے ہی متنبہ فرما دیا ہے: ''هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب وأخر متشابهات ،فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة

وابتغاء تأويله وما يعلم تأويله إلا الله ". (آل عمران: ۷)

ترجمہ: "وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے، اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات، جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

۴- صحابہ کی لغزشوں کو پھیلانے، عام کرنے اور ان کو نمایاں کر کے پیش کرنے کا کام کیا گیا اور ایمان لانے اور تربیت کے بعد ان کی اچھائیوں، قربانیوں اور عظیم جہاد پر پردہ پوشی کی گئی، ان کو ظاہر نہیں ہونے دیا گیا۔

۵- خود ساختہ اشعار پیش کئے گئے اور ان کو نمایاں شخصیات کی جانب منسوب کیا گیا، یہ اشعار ایسے ہوتے ہیں جو ان کے مشن یعنی: مسلمانوں کے مابین فتنہ انگیزی کا کام کرتے ہیں، خاص طور پر بہت سے اقوال اور اشعار امیر المومنین حضرت علیؓ کی جانب غلط منسوب کئے گئے۔(۱)

(۱) دیکھئے: بحار الانوار: ۴۲/۲۰، ۱۱۸، ۱۳۹، ۲۲۸، ۲۶۴، ۲۱۰/۳۵، ۲۵۱، مستدرک الوسائل: ۸/۱۱۹، ۳/ ۷۵)

پانچواں باب

صحابہ کرام کے بارے میں صحیح موقف

صحابہ کرام کے بارے میں صحیح موقف - جو افراط و تفریط اور غلو و بے باکی سے پاک ہو- اعتدال و وسطیت کا موقف ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے" وكذلك جعلناكم أمة وسطا " (البقرۃ:۱۴۳) اور اسی طرح سے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم تمام صحابۂ کرام- رضوان اللہ علیہم اجمعین- خاص طور پر مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین کے ساتھ محبت و عقیدت رکھیں، اسی طرح ان کے ساتھ بھی جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع و پیروی کی، ہم ان کے فضل و کمال، ان کے خصائص و درجات کا لحاظ کریں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود قرآن پاک میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان کے بارے میں بیان فرمایا ہے، اور انکے مشاجرات کے سلسلہ میں سکوت اختیار کریں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ کی شہادت کے بعد ان کے مابین جو کچھ پیش آیا اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ اس کی بنیاد تاویل و اجتہاد ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے بارے میں یہ سمجھتا تھا کہ میں ہی حق پر ہوں جیسے کہ حضرت علیؓ اپنے گروہ کے افراد سے کہا کرتے تھے: ہم ان سے اس وجہ سے نہیں لڑتے ہیں کہ ہم ان کی تکفیر کرتے ہوں اور نہ ہی اس لئے لڑتے ہیں کہ انہوں نے ہماری تکفیر کی ہو، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہی حق پر ہیں"۔(۱)

(۱) قرب الاسناد ص: ۴۵، بحار الانوار: ۳۲/ ۳۲۴

اسی لئے ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ائمہ کے نقش قدم پر چلیں، نہ ہم ان پر طعن و تشنیع کریں اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی کو برا بھلا کہیں تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق بن سکیں: "والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا إنک رؤوف رحیم "(الحشر:۱۰)

ترجمہ: اور جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے کوئی بغض نہ رکھ اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے"۔

شیخ محمد باقر ناصری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والذین جاء وا من بعدھم " یعنی: جو ان کے بعد مہاجرین وانصار اور قیامت تک آنے والے لوگ آئے "یقولون ربنا اغفرلنا " یعنی: دعا کرتے ہیں اور اپنے لئے اور ان سے پہلے ایمان لانے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں "ولا تجعل فی قلوبنا غلا " یعنی: ہمارے دلوں سے مؤمنین کے لئے عداوت اور کینہ وبغض دور فرما" اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص مومن سے بغض رکھے اور اس کے ایمان کی وجہ سے اس کے ساتھ برے سلوک کا ارادہ کرے تو ایسا شخص کافر ہے اور اگر ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ اور کسی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو وہ فاسق ہے"۔(۱)

شیخ محمد السبزواری نجفی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) تفسیر مختصر مجمع البیان، مزید دیکھئے: الکاشف، المیسر، سورۃ الحشر:۱۰

"والذین جاء وا من بعدھم " یعنی: جو ان کے بعد آئے اور ان سے مراد قیامت تک ان کے بعد ایمان لانے والے ہیں "یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان " یعنی: وہ اپنے لئے اور ان سے پہلے ایمان لانے والوں کے لئے مغفرت اور گناہوں کی معافی کی دعا کرتے ہیں "ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا " یعنی: ہمارے دلوں کو بغض وکینہ، نفرت اور دھوکہ سے محفوظ رکھ تاکہ ہمارے دل ان کے لئے خیر ہی چاہیں "ربنا إنک رئوف رحیم " یعنی: اے ہمارے رب تو ہماری خطاؤں کو معاف فرمانے والا ہے اور رزق ومغفرت کے ذریعہ ہم پر شفقت فرمانے والا ہے"۔(۱)

اللہ کی رحمت ہو عابد وزاہد امام زین العابدین علیہ السلام پر کہ انہوں نے ہمارے لئے ایک بہترین منہج وطریقہ متعین فرمایا جس پر ان کے احباب ومحبین عمل کریں یہ اس وقت جب کہ ان کی خدمت میں عراق کے لوگوں کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں کچھ نازیبا باتیں کیں جب وہ کہہ چکے تو انہوں نے ان سے کہا: مجھے بتاؤ کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "للفقراء المھاجرین الذین أخرجوا من دیارھم وأموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ أولئک ھم الصادقون "۔(الحشر:۸)

ترجمہ: (مذکورہ مال) ان غریب مہاجرین مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں

(۱) تفسیر الجدید، سورۃ الحشر:۱۰

اور جائدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں، یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں، یہی راست باز لوگ ہیں"۔

انہوں نے کہا: نہیں، ہمارا تعلق اس گروہ سے نہیں ہے، اس کے بعد ان سے پوچھا: کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"والذین تبوؤ الدار والإیمان من قبلھم یحبون من ھاجر إلیھم ولا یجدون في صدورھم حاجة مما أوتوا ویؤثرون علی أنفسھم ولو کان بھم خصاصة"۔(الحشر:۹)

ترجمہ: (وہ مال ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں"۔

انہوں نے جواب دیا: نہیں، اس کے بعد ان سے پوچھا: تم نے تو ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک میں داخل ہونے سے براءت کا اظہار کر لیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **"والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا إنکم رئوف رحیم"**۔(الحشر:۱۰)

ترجمہ: اور جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں

میں اہل ایمان کے لئے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے"۔

اس کے بعد ان سے کہا: میرے پاس سے نکل جاؤ، اللہ ہی تم سے نمٹ لے"۔(۱)

اس موقعہ پر ہم کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی مستحضر کر لینا چاہئے: **"تلک أمة قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون"** (بقرہ:۱۳۴) ترجمہ: وہ کچھ لوگ تھے، جو گذر گئے، جو کچھ انہوں نے کیا، وہ ان کے لئے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے، تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے"۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے محمد جواد مغنیہ کہتے ہیں:

یہ آیت ایک عام اصول کی جانب رہنمائی کرتی ہے، وہ یہ کہ اعمال کے نتائج و اثرات بروز قیامت صرف عمل کرنے والے ہی کو حاصل ہوں گے، اس عمل کرنے والے سے منسوب لوگوں کو ان کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا اگر وہ خیر کے اعمال ہوں گے، اسی طرح دوسرے کو ان کا ضرر بھی لاحق نہیں ہوگا، اگر وہ شر ہوں گے، اسلام میں اس اصول کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے، مثلاً سورہ انعام کی آیت ۱۶۴ میں "ولا تزر وازرة وزر أخری" ترجمہ: "کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔

اسی طرح سورۂ نجم کی آیت ۳۹ میں "وأن لیس للإنسان إلا ما سعی" ترجمہ: "اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے"۔

اسی طرح رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے یہ کہنا: "اے فاطمہ! عمل کرو اور یہ مت سوچو کہ میں محمد کی بیٹی ہوں، کیونکہ میں تم کو اللہ کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہوں"۔ اسی طرح سے اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، اس موضوع کی جملہ تفصیلات کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہم آج تک واضح

---

(۱) کشف الغمہ: ۲/۸۷

ترین اور بدیہی ترین چیزوں سے بھی ناواقف وجاہل ہیں ،(۱)

اہل بیت اور صحابہ کرام کے مابین محبت والفت اور تعلق کو سمجھنے کے لئے آئندہ کی تفصیلات سے اور زیادہ وضاحت ہوتی ہے۔

☆☆☆

(۱) تفسیر الکاشف ،سورہ البقرہ آیت:۳۳

چھٹا باب

صحابہ اور اہل بیت کے مابین رشتہ داریاں

اعدائے اسلام اور بعض ناواقف لوگ ایسے تاریخی حقائق کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تھے جو صحابہ کے مابین پائی جانے والی محبت ومودت پر دلالت کرتے ہیں، اس لئے صحابہ کے مابین ناموں میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے اور ان کے مابین رشتے اور تعلقات بھی پائے جاتے ہیں۔

ان پاکیزہ نفوس نے دنیاوی مفادات یا فانی مناصب ومراتب کے حصول یا مال ودولت کے لالچ میں اپنی اولاد کے نام نہیں رکھے تھے اور نہ ہی ان کی شادی اس غرض سے کی تھی ، انہوں نے ان شخصیات کے نام سے اپنی اولاد کو موسوم کیا ہے جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور اپنی بیٹیوں کو ایسے مبارک لوگوں کی زوجیت میں دیا جو پاکیزہ واعلی صفات کے حامل تھے اور انہی صفات کا حصول ان کا بھی مقصود تھا، ان کا یہ حرص سید البشر مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی مکمل اتباع کا نتیجہ تھا، اہل بیت اپنے مخلص متبعین کو بھی اسی منہج کے اختیار کرنے کی وصیت کرتے تھے۔

ابراہیم بن محمد ہمدانی سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے ابوجعفر کو شادی کرنے کے سلسلہ میں لکھا تو ان کی طرف سے ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ”جب تمہارے پاس ایسے شخص کا پیغام آئے جس کے اخلاق ودین پر تم مطمئن ہو تو اس سے شادی کرو“۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم

برپا ہو جائے گا''۔(۱)

امام رضا سے منقول ہے کہ اگر آپ کے پاس کسی ایسے شخص کا پیغام آئے جس کے دین و اخلاق پر تم مطمئن ہو تو اس سے شادی کرو، اس کا فقر و فاقہ تمہارے لئے رکاوٹ نہ بنے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:''وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ''(نساء:۱۳۰)

ترجمہ:''اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہو ہی جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا''۔(۲)

حضرت ابو عبد اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رکھی ہے جس کی ضرورت ہو اور اس کی تعلیم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دی ہو، اللہ تعالیٰ کی جانب سے سکھائی ہوئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! میرے پاس لطیف و خبیر کی جانب سے جبرئیل امین آئے اور فرمایا: دوشیزائیں درخت پر پھلوں کی مانند ہیں، جب پھل تیار ہو جائیں اور ان کو توڑا جائے تو دھوپ انکو خراب کر دے گی اور ہوائیں ان کو گرا دیں گی، یہی حال دوشیزاؤں کا بھی ہے جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں ان کا علاج نکاح کے علاوہ کچھ نہیں ہے ورنہ ان کے بارے میں فساد کا اندیشہ ہے کیونکہ وہ بشر ہیں، فرماتے ہیں: یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں کس سے نکاح کروں؟ آپؐ نے فرمایا: کفو سے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کفو کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمام مومن آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں''۔(۳)

---

(۱) الکافی:۵/۳۴۷، تہذیب الاحکام:۷/۳۹۶، وسائل الشیعہ:۲۰/۷۷

(۲) فقہ الرضا ص:۲۳۵، مستدرک الوسائل:۱۴/۱۸۸، بحار الانوار:۱۰۰/۳۷۲

(۳) الکافی:۵/۳۳۷، تہذیب الاحکام:۷/۳۹۷، وسائل الشیعہ:۲۰/۴۶

صادق علیہ السلام کا قول ہے:''کفو یہ ہے کہ وہ عفیف ہو یا کدامن ہو اور اس کے پاس استطاعت و گنجائش ہو''۔(۱)

اہل بیت نے اپنی اولاد کو ناصبہ اور کبائر کا ارتکاب کرنے والوں خاص طور پر کفار، منافقین اور مرتدین سے نکاح کرنے سے ڈرایا۔

حضرت ابو عبد اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ: مومن کسی ناصبی عورت سے شادی نہ کرے''۔(۲)

حضرت ابو عبد اللہ سے مروی ہے انہوں نے فضیل سے کہا: کیا ناصبیہ سے شادی کی جا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، اور نہ ہی کرامیہ سے، میں نے کہا: میری جان آپ پر فدا ہو، واللہ! میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں اگر مجھے گھر بھر کر درہم بھی دے جائیں تب بھی میں ایسا نہیں کروں گا''۔(۳)

حضرت ابو عبد اللہ ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: یہود یہ یا نصرانیہ سے نکاح کرنا بہتر ہے یا یہ کہا: ناصب یا ناصبیہ سے نکاح کرنے سے بہتر ہے۔(۴)

احمد بن محمد نے ابو عبد اللہ سے نقل کیا ہے:''جس نے اپنی شریف بیٹی کو شراب خور کے عقد میں دیا اس نے اس کے ساتھ قطع رحمی کی''۔(۵)

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ:۳/۳۹۴

(۲) الکافی:۵/۳۴۸، الاستبصار:۳/۱۸۳، وسائل الشیعہ:۲۰/۵۲۹

(۳) الکافی:۵/۳۴۸　　(۴) الکافی:۵/۳۵۱

(۵) الکافی:۵/۳۴۷، تہذیب الاحکام:۷/۳۹۸، وسائل الشیعہ:۲۰/۷۹، عوالی اللآلی:۳/۳۳۱

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی فاسق سے کردیا اس پر ہر روز ہزار لعنتیں برستی ہیں، اس کا کوئی عمل عند اللہ مقبول نہیں ہوتا ہے، اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی عمل یا فدیہ قبول کیا جائے گا''۔(۱)

ابوعبداللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شراب خور اگر پیغام نکاح دے تو اس سے شادی نہ کی جائے۔''(۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی شراب خور سے کیا گویا کہ اس نے اس کو بدکاری کی طرف دھکیل دیا''۔(۳)

حسین بن بشار واسطی سے منقول ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن رضا علیہ السلام کو ایک خط لکھا اور پوچھا: میرے ایک قریبی رشتہ دار نے مجھے پیغام نکاح دیا ہے لیکن اس کے اخلاق صحیح نہیں ہیں، انہوں نے جواب دیا: اگر وہ بدخلق ہے تو اس سے شادی مت کرو''۔(۴)

ان روایات کو پڑھنے کے بعد یہ ایک نامعقول بات معلوم ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ پاکیزہ اہل بیتؑ ایسا اقدام کریں کہ اپنی بیٹیوں کا نکاح ایسے لوگوں کے ساتھ کریں جو۔ نعوذ باللہ۔ دین و اخلاق کے اعتبار سے مطعون ہوں۔

اس اہم ترین قضیہ میں ان کے اہتمام کرنے کے سلسلہ میں سب سے بڑی دلیل

---

(۱) ارشاد القلوب ۱/۱۷۴، مستدرک الوسائل ۱۵/۲۷۹

(۲) الکافی: ۵/۳۴۸، تہذیب ۷/ ۳۹۸، وسائل الشیعہ ۲۰/ ۷۹، عوالی اللآلی: ۳/ ۳۴۱

(۳) مستدرک الوسائل ۱۴/ ۱۹۱

(۴) الکافی ۵/ ۵۶۳، من لا یحضرہ الفقیہ ۳/ ۴۰۹، وسائل الشیعہ ۲۰/ ۸۱، مستدرک الوسائل ۱۴/ ۱۹۴، بحار الانوار ۱۰۰/ ۲۳۴

یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ سے حضرت فاطمہ کا نکاح کرانے میں اپنے اپنے اعتبار سے کوشش کی، یہ ان کی جانب سے صرف خیر خواہانہ اور خیر پر مبنی عمل تھا۔

ضحاک بن مزاحم سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب کو فرماتے ہوئے سنا: میرے پاس ابوبکر و عمر آئے اور ان دونوں نے کہا: اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان سے فاطمہ کا تذکرہ کریں''۔(۱)

دو جلیل القدر صحابہ کی جانب سے حضرت علیؑ کو مشورہ دینے سے صحابہ کی اس رغبت و خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں۔

کیونکہ حضرت علیؓ کی معاشی حالت بہت اچھی نہیں تھی تو آپ کے ساتھی صحابہ نے شادی کے سلسلہ میں کسی طرح کے بخل یا پس و پیش سے کام نہیں لیا۔

شادی کے سلسلہ میں جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی معاونت و مدد کی حضرت عثمان بن عفان بھی ان میں سے ایک ہیں۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا: اے ابوالحسن! ابھی جاؤ اور اپنی زرہ بیچ کے آؤ اور اس کی قیمت میرے پاس لے کر آؤ تاکہ میں تمہارے لئے اور اپنی بیٹی فاطمہ کے لئے کچھ ضرورت کی چیزیں مہیا کروں، حضرت علی کہتے ہیں: میں نے اپنی زرہ لی اور اس کو لے کر بازار چلا گیا، میں نے اسے چار سو

---

(۱) دیکھئے: امالی الطوسی: ص: ۳۹، بحار الانوار ۴۳/۹۳

درہم میں عثمان بن عفان کو بیچا، جب میں نے ان سے درہم وصول کر لئے اور انہوں نے مجھ سے زرہ لے لی تو انہوں نے کہا: علی! کیا میں اس زرہ کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں اور تم درہم کے مجھ سے زیادہ حقدار ہو؟ میں نے جواب دیا: کیوں نہیں، انہوں نے کہا: یہ زرہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے، اس کے بعد میں نے زرہ بھی اور درہم بھی لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، میں نے زرہ اور درہم آپ کے سامنے ڈال دئے اور میں نے حضرت عثمان کا پورا معاملہ آپ کو سنایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔"(۱)

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ حضرت فاطمہ الزہراء کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نگرانی میں بعض ضروریات کی اشیاء خریدیں"۔(۲)

لہذا خلفائے ثلاثہ کا بطور خاص اور دیگر صحابہ کا بالعموم - جن کی موجودگی میں حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا - اس مبارک عقد کی تکمیل میں اہم ترین رول رہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور اتنے ہی انصار کو بلا کر لاؤ، کہتے ہیں: میں گیا اور میں نے ان سب کو بلا لیا، جب وہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، آپؐ نے فرمایا: میں تم سب کو گواہ

---

(۱) کشف الغمہ ۱/۳۵۸، بحار الانوار ۴۳/۱۳۰

(۲) آمالی الطوسی ص: ۴۰، بحار الانوار: ۴۳/۹۴

بناتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کو علی کی زوجیت میں چار سو مثقال چاندی کے عوض میں دیا"۔(۱)

قارئین کرام سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اہل بیت اس بات کے سب سے زیادہ حریص تھے کہ اپنے بچوں کی شادی اہل صلاح وتقویٰ کے ساتھ ہی کریں، اسی طرح وہ فساق وفجار کے عقد میں اپنے بچوں کو دینے سے سب سے زیادہ دور رہتے تھے، خاص طور پر ناصبیوں اور مرتدوں سے، جو یہ دعویٰ کرے کہ انہوں نے -نعوذ باللہ- کسی مرتد یا منافق یا فاسق سے نکاح کیا تو ایسا شخص سب سے بڑا افترا انداز ہے اور ان پر قول وفعل میں عدم مطابقت اور مخالفت کا الزام لگاتا ہے حالانکہ اسی بات پر بنی اسرائیل اور دوسرے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اتامرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم وانتم تتلون الكتاب أفلا تعقلون" (البقرۃ:۴۴) ترجمہ: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، تم عقل نہیں رکھتے ہو"۔

اہل بیت سے محبت کرنے والا ان کا احترام کرتا ہے اور ان کے حق میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انہوں نے عادل وصالح شخص سے ہی شادی کی۔

مندرجہ ذیل سطور میں اہل بیت کی بعض رشتہ داریاں اور ان کے نام بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ اس سے اندازہ کیا جا سکے کہ اہل بیت اور صحابہ کے درمیان کتنی محبت والفت، آپسی تعلقات تھے، اہل بیت صحابہ کرام کے صلاح وتقویٰ کے معتقد تھے، اس لئے انہوں نے ان کے ہاں شادیاں کیں اور اپنے بچوں کو ان کے نام سے موسوم کیا۔

---

(۱) کشف الغمہ ۱/۳۴۸، بحار الانوار ۴۳/۱۱۹

۱)رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ کی ازواج میں:

حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ، حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب، حضرت رملہ بنت ابی سفیان۔

آپ کے داماد:

حضرت علی بن ابی طالب: آپؓ نے حضرت فاطمہ سے شادی کی۔

حضرت عثمان بن عفان: آپؓ نے آپؐ کی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور پھر حضرت ام کلثوم سے شادی کی۔

ابوالعاص بن ربیع: آپ نے حضرت زینبؓ سے شادی کی۔

۲)حضرت علی بن ابی طالب-علیہ السلام-

آپؓ کی ازواج:

حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد:

حضرت اسماء بنت عمیس، یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوہ تھیں۔

حضرت امامہ بنت ابی العاص بن ربیع، آپ کی والدہ حضرت زینب بنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ کی اولاد میں:

ابوبکر، عمر اور عثمان نام کے بچے بھی تھے۔

آپؓ کے داماد:

حضرت عمر بن خطاب، آپؓ نے حضرت علی کی بیٹی حضرت ام کلثوم سے شادی کی

عبدالرحمٰن بن عامر بن کریز اموی: آپؓ نے حضرت علیؓ کی بیٹی حضرت خدیجہ سے شادی کی

معاویہ بن مروان بن حکم: آپ نے حضرت علیؓ کی بیٹی رملہ سے شادی کی

منذر بن عبیدہ بن زبیر بن العوام: آپ نے حضرت علیؓ کی بیٹی فاطمہ سے شادی کی

۳)عقیل بن ابی طالب۔

آپ کی اولاد میں عثمان ہیں۔

۴)حسن بن علی بن ابی طالب۔

آپ کی ازواج میں:

ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی۔

حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

آپ کی اولاد میں:

ابوبکر، عمر اور طلحہ ہیں۔

آپ کے دامادوں کے نام:

حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام، آپؓ نے حضرت حسن کی بیٹی ام الحسن سے شادی کی۔

عمرو بن زبیر بن العوام، آپ نے حضرت حسن کی بیٹی رقیہ سے شادی کی۔

جعفر بن مصعب بن زبیر، آپ نے حضرت حسن کی بیٹی ملیکہ سے شادی کی۔

۵) حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں:

لیلی بنت ابی مرۃ (ان کی والدہ حضرت میمونہ بنت ابی سفیان ہیں)

ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمی۔

آپ کی اولاد میں:

ابوبکر اور عمر ہیں۔

آپ کے داماد:

عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان، آپ نے حضرت حسینؓ کی صاحبزادی فاطمہ سے نکاح کیا۔

مصعب بن زبیر بن العوام، آپ نے حضرت حسین کی صاحبزادی سکینہ سے نکاح کیا۔

۶) اسحاق بن جعفر بن ابی طالب۔

آپ کی ازواج میں:

ام حکیم بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ہیں۔

۷) عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب۔

آپ کی اولاد میں:

ابوبکر و معاویہ ہیں۔

آپ کے داماد عبد الملک بن مروان ہیں۔

۸) علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (زین العابدین):

آپ کی کنیت ابوبکر ہے، آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۹) زید بن حسن بن علی بن ابی طالب:

آپ کے داماد ولید بن عبد الملک بن مروان ہیں۔

۱۰) حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں امینہ بنت حمزہ بن منذر بن زبیر بن عوام ہیں۔

۱۱) حسن (مثنی) بن حسن بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں رملہ بنت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل عدوی ہیں۔

آپ کے داماد ولید بن عبد الملک بن مروان ہیں، ان کی بیٹی زینب سے شادی کی۔

۱۲) محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب:

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۱۳) محمد (باقر) بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ہیں۔

۱۴) موسیٰ (الجون) بن عبد اللہ المحض بن حسن بن علی بن ابی طالب:

آپ کے داماد منصور عباسی کے بھتیجے ہیں، جنہوں نے ان کی بھتیجی ام کلثوم سے

شادی کی۔

۱۵) حسین اصغر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں خالدہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام ہیں۔

۱۶) عبید اللہ بن محمد بن عمر (الأطرف) بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں ابو جعفر منصور کی پھوپھی ہیں۔

۱۷) جعفر بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب:

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۱۸) حسین الاصغر بن علی زین العابدین بن حسین:

آپ کی اولاد میں خالدہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن العوام ہیں۔

۱۹) حسن بن علی بن حسن بن علی بن ابی طالب:

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۲۰) جعفر (صادق) بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

امام صادق کا قول ہے: "مجھے ابوبکر نے دو مرتبہ جنا ہے" ان کو "عمود الشرف" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

۲۱) حسن (افطس) بن علی بن علی زین العابدین بن حسین:

آپ کی ازواج میں بنت خالد بن ابی بکر بن عبداللہ بن عمر بن خطاب ہیں۔

۲۲) محمد بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۲۳) موسیٰ بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں عبیدہ بنت زبیر بن ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام ہیں۔

۲۴) جعفر الاکبر بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں فاطمہ بنت عروہ بن زبیر بن عوام ہیں۔

۲۵) عبداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں ام عمرو بنت عمرو بن زبیر بن عروہ بن زبیر ہیں۔

۲۶) محمد بن عوف بن علی بن محمد بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں صفیہ بنت محمد بن مصعب بن زبیر ہیں۔

۲۷) محمد بن عبداللہ بن الحسن المثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں فاختہ بنت فلیح بن محمد بن منذر بن زبیر ہیں۔

۲۸) موسیٰ الجون بن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں ام سلمہ بنت محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق ہیں۔

۲۹) جعفر بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں فاطمہ بنت عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

۳۰) عبداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں ام عمرو بنت عمرو بن زبیر بن عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

۳۱) محمد بن عوف بن علی بن محمد بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں صفیہ بنت محمد بن مصعب بن زبیر ہیں۔

۳۲) حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۳۳) علی بن حسین بن علی بن عمر بن علی بن ابی طالب:

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۳۴) موسیٰ (الکاظم) بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی:

آپ کی اولاد میں عمر اور عائشہ ہیں۔

۳۵) علی بن حسن بن علی بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی ازواج میں فاطمہ بنت عثمان بن عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

۳۶) یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب:

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۳۷) علی (الرضا) بن موسیٰ بن جعفر الصادق:

آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔

آپ کی ازواج میں ام حبیب بنت مامون العباسی ہیں۔

آپ کی اولاد میں پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے جس کا نام عائشہ ہے۔

۳۸) جعفر بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق:

آپ کی بیٹیوں میں عائشہ ہیں۔

۳۹) محمد (الجواد) بن علی بن موسیٰ بن جعفر:

آپ کی ازواج میں ام فضل بنت مامون العباسی ہیں۔

۴۰) علی (الهادی) بن محمد بن علی بن موسیٰ: آپ کی بیٹیوں میں عائشہ ہیں۔

اہل بیت اور صحابہ کرام — رضوان اللہ علیہم اجمعین — کے مابین یہ خاندانی ربط

و تعلق، ان کا آپس میں ایک دوسرے کے نام رکھنا اور آپس میں اتنی کثیر رشتہ داریاں یہ سب اس کی واضح دلیل ہے کہ ان کے مابین آپس میں الفت و محبت تھی، وہ دین و منہج کے اعتبار سے راہ صواب پر تھے، آپس میں ایک دوسرے کے تئیں ان کے دل صاف و شفاف تھے، اس سے وہ کہیں دور تھے جس کو فتنہ پرور اور اہل بغض و عناد عام کرتے ہیں۔(۱)

---

(۱) جو ان حقائق کی تفصیلات سے واقف ہونا چاہتا ہو تو وہ مندرجہ ذیل کتب انساب کی طرف رجوع کرے: ابن عنبہ کی "عمدة الطالب في انساب آل ابي طالب" ابن الطقطقی کی "الاصيلي في انساب الطالبيين" ابونصر بخاری کی "سر السلسلة العلوية" شیخ مفید کی "الإرشاد" شیخ عباس قمی کی "منتهى الآمال" محمد حسین الاعلمی کی "تراجم أعلام النساء" اربلی کی "كشف الغمة في معرفة الأئمة" الجزائری کی "الأنوار النعمانية" شیخ محمد رضا حکیمی کی "أعيان النساء" احمد بن ابی یعقوب کی "تاريخ اليعقوبي" مجلسی کی "بحار الأنوار" اصفہانی کی "مقاتل الطالبين" بلاذری کی "انساب الأشراف" مصعب زبیری کی "نسب قريش"۔

ساتواں باب

بعض اعتراضات اور ان کے جوابات

قارئین کرام! آپ کے سامنے بعض سوالات اور اعتراضات پیش کیے جارہے ہیں جن کو ہم آئے دن بعض شبہات پیدا کرنے والوں کی طرف سے سنتے رہتے ہیں، جو سراب کی طرح ان بے بنیاد جملوں کے ذریعہ فضا کو مسموم کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے مابین بغض وعناد کے بیج بونا چاہتے ہیں، ان کے اور صحابہ کے مابین مربوط اور مستحکم تعلق کو ختم کرنا چاہتے ہیں، ان صحابہ میں اہل بیت بھی شامل ہیں، صحابہ کرام پر طعن وتشنیع کرنا ان کا مقصد ہوتا ہے— رضوان اللہ علیہم اجمعین — ان کی جانب بے بنیاد الزامات اور غلط اعمال منسوب کیے جاتے ہیں، لیکن ایسے بدطینت الزام تراشی کرنے والے لوگ اس سے غافل رہتے ہیں کہ ان کے طعن وتشنیع اور عیب جوئی کی پھٹکار انہی کے منہ پر پڑتی ہے، خیر کی بلندیوں کو اس کے ذریعہ کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے، بقول شاعر:

كناطح صخرة يوما ليوهنها فما ضرها وأوهى قرنه الوعل

یعنی: اس کی مثال اس جنگلی بکرے کی سی ہے جو ایک دن ایک چٹان پر اپنے سینگ مارنے لگا، اس چٹان کو تو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا البتہ اس کا سینگ اس چٹان سے ٹوٹ گیا۔

آئندہ صفحات میں آپ ایسے شبہات ملاحظہ فرمائیں گے جن سے بہت سے ایسے لوگ متاثر ہوجاتے ہیں جو روشن تاریخ اسلامی کے بعض حقائق سے ناواقف ہوتے ہیں خاص طور پر ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی سب سے زیادہ پیروی کی۔

ان شبہات واعتراضات کو میں نے سوالات کی شکل میں ترتیب دیا ہے، ہر سوال کے بعد اس کا جواب دیا گیا ہے تاکہ حق پوری طرح واضح ہوجائے، اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے تین صحابہ کے تمام صحابہ دین سے پھر گئے تھے، تو کیا مسلمانوں کے خون سے حضرت علیؓ کی مراد صرف ان تین کا خون تھا؟!! اور کیا ان کے نزدیک صحابہؓ کا خون حضرت فاطمۃ الزہراء کے خون سے زیادہ قیمتی اور پاک ہے، جس کی وجہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کا دفاع نہیں کرتے ہیں؟!!

۳- حضرت فاطمہ الزہراء کی وفات کے نو دن بعد حضرت علیؓ نے بنو حنیفہ کی ایک خاتون سے شادی کی جن کا بیٹا ابن الحنفیہ کے نام سے ملقب ہوا اور اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی بیٹی ام کلثوم کو اس سازش کے ایک رکن حضرت عمر بن خطاب کی زوجیت میں دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے دشمنوں کے ساتھ تعلقات کو مستحکم بنانا چاہتے تھے اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے ساتھ محبت ووفاداری کا سلوک نہیں کرتے تھے۔

۴- کیونکہ حضرت علیؓ خلیفہ اول وثانی کے زمانہ میں قاضی اور وزیر کے عہدہ پر فائز ہوئے تو انہوں نے اتنا شاندار رول ادا کر کے گویا اس کا بدلہ عطا کیا۔

۵- انہوں نے اپنی اولاد کو ابوبکر وعمر وعثمان کے ناموں سے موسوم کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیوہ سے نکاح کیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماضی کے ان کے کارناموں کو باقی رکھنا چاہتے تھے اگر چہ یہ حضرت فاطمہ کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۶- حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ الزہراء کی اولاد کو ان کی والدہ کی فدک والی میراث نہیں دی جب کہ وہ خلیفۃ المسلمین بنے، اپنے سے پیش رو خلفاء کے نقش قدم پر ہی چلتے رہے بلکہ انہوں نے تراویح کو بھی برقرار رکھا اور متعہ کو بھی جائز نہیں قرار دیا۔

کیا اہل بیت سے محبت کرنے والا کوئی بھی شخص اس بات کو پسند کرسکتا ہے کہ

کوئی بھی بغض رکھنے والا فتنہ پرور ناصبی اس طرح کے الزامات واتہامات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی جانب منسوب کرے، اور یہ بھی صرف ایسی روایات کی بنیاد پر جو من گھڑت اور جھوٹی ہوں جن سے کسی بھی صورت میں استدلال کرنا درست اور مناسب نہیں ہے؟!

☆☆☆

دوسرا اعتراض

حوض کوثر سے متعلق حدیث

اعتراض: یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے صدق وعدالت کے بارے میں فیصلہ کریں جن کے ارتداد اور دین تبدیل کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعلان فرمائے گا کیونکہ حوض کوثر سے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ بعض لوگوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے "أصحابي ، أصحابي" یہ میرے اصحاب ہیں، یہ میرے اصحاب ہیں، اس کے بعد رب کریم کی جانب سے واضح جواب دیا جائے گا کہ: "جب سے آپ نے ان کو چھوڑا ہے اس وقت سے یہ برابر مرتد رہے"۔!

جواب: اس بے بنیاد اعتراض کے مختلف جوابات ہیں:

۱- یہاں پر اصحاب سے وہ منافقین مراد ہیں جو عہد نبوی میں اسلام کا صرف اظہار کرتے تھے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إذا جاءک المنافقون قالوا نشهد إنک لرسول الله والله يعلم إنک لرسوله والله يشهد إن المنافقين لكاذبون" (المنافقون:۱)

ترجمہ: اے نبی! جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور اس کے رسول ہو مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔

منافقین میں سے بعض ایسے تھے جن کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا اور ایسے اکثریت میں تھے، اور ان میں بعض ایسے بھی تھے جو غیر معلوم تھے اور انہی کے

بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے "أصحابي أصحابي" یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی اندرونی حالت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مخفی تھی جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: " وممن حولكم من الأعراب منافقون ومن أهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم سنعذبهم مرتين ثم يردون إلى عذاب عظيم "۔ (توبہ:۱۰۱)

ترجمہ: "تمہارے گرد وپیش جو بدوی رہتے ہیں ان میں بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح خود مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں جو نفاق میں طاق ہو گئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں، قریب ہے وہ وقت جب ہم ان کو دوہری سزا دیں گے، پھر وہ زیادہ بڑی سزا کے لئے واپس لائے جائیں گے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کے بارے میں حوض کوثر کے پاس "أصحابي" فرمائیں گے اور ان کو روک دیا جائے گا وہ منافقین ہوں گے جو مدینہ میں پائے جاتے تھے جن کے بارے میں ظاہری طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی سمجھتے تھے کہ یہ مسلمانوں میں سے ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اور نہ لوگوں کے باطنی احوال جانتے تھے، شرعی حکم کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ظاہر پر حکم لگایا جائے۔

۲- "اصحاب" سے یہاں وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوئے، جیسے کہ بہت سے اعرابی مرتد ہو گئے تھے جنہوں نے عہد نبوی کے اخیر میں اسلام قبول کیا تھا۔

علامہ مجلسی نے "البحار" میں سید ابن طاؤس کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ عباس

بن عبدالرحیم مروزی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف اہل مدینہ، اہل مکہ، اہل طائف میں اسلام باقی رہا، بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔

اس کے بعد کہتے ہیں: بنوتمیم اور قبیلہ رباب مرتد ہو گئے اور مالک بن نویرہ یربوعی کے پاس جمع ہوئے، اسی طرح قبیلۂ ربیعہ پورے کا پورا مرتد ہوا، ان کی فوج کی تین جماعتیں تھیں، یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ، دوسری معرور شیبانی کے ساتھ جس میں بنو شیبان اور بکر بن وائل کے اکثر لوگ تھے اور ایک فوج حطیم عبدی کے ساتھ تھی، بعض اہل یمن بھی مرتد ہوئے، کندہ بن اشعث بن قیس مرتد ہوا، اسود عنسی کے ساتھ اہل مارب مرتد ہوئے، علقمہ بن علاثہ کے علاوہ سب بنو عامر کے لوگ مرتد ہو گئے"۔(۱)

۳- "اصحابی" کے لفظ سے ہر وہ شخص مراد ہو سکتا ہے جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلا ہو، اگرچہ اس کو آپ کا دیدار نصیب نہ ہوا ہو، اس روایت سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے جس میں "أمتي أمتي" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور دوسری روایت میں "إنهم أمتي" یعنی "یہ میرے امتی ہیں" کے الفاظ آئے ہیں۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "أنا أعرفهم" یعنی: میں ان کو پہچانتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے یہ فرمائیں گے کیونکہ آپؐ اپنی امت کو وضو کی علامتوں سے پہچانیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ قول قرآن پاک میں

---

(۱) بحار الأنوار، ۲۸/۱۱

نازل فرمایا ہے: "وقال الرسول يارب إن قومي اتخذوا هذا القرآن مهجورا" (الفرقان: ۳۰)

ترجمہ: "اور رسولؐ کہے گا کہ اے میرے رب! میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنا لیا تھا"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر قوم سے نہ ہی اپنے اصحاب مراد لے رہے ہیں اور نہ ہی وہ لوگ جو آپؐ کے زمانہ میں تھے بلکہ آپؐ بعد کے امتیوں کے ترک قرآن کو مراد لیں گے۔

انہی لوگوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "أصحابي أصحابي" فرمائیں گے اور آپؐ سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے بعد میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کی تھیں، یعنی: یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد مسلسل آپ کے نقش قدم سے ہٹتے رہے۔

تیسرا اعتراض

صحابہ کی ایک جماعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا مذمت کرنے کا دعویٰ

اعتراض: ہم صحابہ کی عدالت کو کیونکر مان سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر صریح آیات میں ان کی مذمت بیان کی ہے: مثلاً جہاد سے پیچھے رہنے کے بارے میں فرمایا: **یآیها الذین آمنوا إذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم إلی الأرض، أرضیتم بالحیاة الدنیا من الآخرة، فما متاع الحیاة الدنیا فی الآخرة إلا قلیل** "۔(توبہ:۳۸)

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چپٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا"۔

ایک دوسری آیت میں ان کے بارے میں وعید اور تنبیہ مذکور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: " **یآیها الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه، فسوف یأتی الله بقوم یحبهم ویحبونه أذلة علی المؤمنین أعزة علی الکافرین یجاهدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم، ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء والله واسع علیم** "۔(المائدہ:۵۴)

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے ایسے لوگ پیدا کردے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ

ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اللہ کے ذکر کے وقت خشوع نہ پائے جانے پر بھی مذمت بیان کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: " **ألم یأن للذین آمنوا أن تخشع قلوبهم لذکر الله وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین أوتوا الکتاب من قبل، فطال علیهم الأمد فقست قلوبهم وکثیر منهم فاسقون** "۔(الحدید:۱۶)

ترجمہ: "کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت ان پر گذر گئی تو ان کے دل سخت ہوگئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں"۔

یا اس پر بھی مذمت کی گئی ہے کہ تجارت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے چھوڑ دیا: " **وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إلیها وترکوک قائما قل ما عند الله خیر من اللهو ومن التجارة والله خیر الرازقین** "۔(الجمعہ:۱۱)

ترجمہ: "جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا، ان سے کہو، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔

جواب: ۱- ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حق کا متلاشی فکری تعصب سے بالاتر اور ہدایت کا طلبگار رہے، جیسے کہ ہم بار بار دعا مانگتے ہیں "اھدنا الصراط المستقیم" (فاتحہ ۶) اسی طرح غلط چیزوں سے مجتنب رہے، اگرچہ یہ چیزیں کسی عالم یا شیخ ہی سے صادر کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اہل تعصب کی مذمت بیان کی ہے جو کہتے ہیں: "إنا وجدنا آباءنا علی أمة وإنا علی آثارھم مقتدون" (زخرف: ۲۳)

ترجمہ: "بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں"۔

۲- ہمارے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ صحابہ کرام معصوم عن الخطاء نہیں ہیں، اسلام ہی نے ان کو جاہلی خرافات سے محفوظ رکھا، حالانکہ ان کے معاشرہ میں یہ چیزیں عام تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس توحید کی دعوت لے کر آئے اور اچھے کاموں کا حکم دیا، اور آپؐ بذات خود ان تمام رذائل سے دور رہے تو تمام صحابہ کرام نے اختیاری طور پر آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپؐ پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خیر وصلاح اختیار کرنے اور محرمات سے رکنے کا حکم دیا ان سب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں "یا أیھا الذین آمنوا" کے ذریعہ خطاب کیا ہے۔

ان کے معاشرہ میں کوئی غلطی ہوتی تھی تو اس غلطی کے نتیجہ میں صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے احکامات سے واقف ہوتے اور اس میں تمام صحابہ برابر

ہیں، جن میں اہل بیت، حضرت عباس، حضرت حمزہ، حضرت جعفر طیار اور دوسرے تمام صحابہ شامل ہیں۔

یہ تمام احکامات (اوامر و نواہی) اور تنبیہات صرف صحابہ کے ساتھ خاص نہیں تھیں بلکہ یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والی امت کے لئے حجت و دلیل ہیں، کیونکہ قاعدہ ہے کہ "العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب" یعنی: لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ مخصوص سبب کا۔

۳- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اہل ایمان اور اہل کفر کو مخاطب کرتے میں الگ الگ اسلوب اختیار فرمایا ہے، جب اہل ایمان کو مخاطب کیا ہے تو "یا أیھا الذین آمنوا" کے ذریعہ اور جب خطاب کفار سے یا عام لوگوں سے کیا ہے (جس میں مؤمن کافر سب شامل ہیں) تو "یا أیھا الناس" کے ذریعہ۔

۴- فرض کرتے ہیں کہ ہم قرآن نہ سمجھ سکیں یا اس کی تفسیر نہ سمجھیں تو کسی متعصب مستشرق کے اس سوال کا ہم کیا جواب دیں گے اگر وہ یہ کہے کہ نبی اکرم محمد بن عبد اللہ کفار و منافقین کی اطاعت کرتے تھے، کیونکہ قرآن میں آپ کو اس چیز سے روکا گیا ہے:

"یا أیھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین إن اللہ کان علیما حکیما" (أحزاب: ۱)

ترجمہ: اے نبی، اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو، حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے"۔

بلکہ مستشرق یہ دعوی کرے اور کہے کہ تمہارے نبی تو ایسی چیزوں کو حلال کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور ایسا صرف اپنی ازواج کو راضی کرنے کے لئے کیا

ہے، قرآن پاک میں ہے: **یآیھا النبی لم تحرم ما أحل اللہ لک تبتغی مرضات آزواجک واللہ غفور رحیم** "(تحریم:۱)

ترجمہ: "اے نبی تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے (کیا اس لئے کہ) تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

اسی طرح یہ کہ تمہارے نبی تو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے تھے تا کہ ان پر رحم کیا جائے اس لئے آپ کو منع کیا گیا "**ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ إنھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون** "(توبہ:۸۴)

ترجمہ: اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا، کیوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اپنے رب کے احکامات کی نافرمانی نہیں کر سکتے تھے، ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اپنی شریعت اور دین کی تعلیم دے رہا ہے تا کہ آپ اس کو لوگوں تک پہنچائیں، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**یآیھا النبی إنا أرسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا**"(أحزاب:۴۵)

ترجمہ: "اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے کہ:

"**یآیھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم** " (تحریم:۹)

ترجمہ: اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

یآیھا النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن " (أحزاب: ۵۹)

ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔

۵- اگر کوئی ناصبی حضرت علیؓ پر طعن کرتے ہوئے ظاہر قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ روایات کے ظاہر سے استدلال کرے اور کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو آیت بھی اللہ نے نازل فرمائی اور اس میں "یآیھا الذین آمنوا" کے ذریعہ خطاب ہے تو علی سب سے پہلے اس میں داخل ہیں"۔(۱)

اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام رضا کے صحیفے میں موجود ہے کہ "قرآن پاک میں جہاں بھی "یآیھا الذین آمنوا" ہے وہ ہمارے ہی حق میں ہے"۔(۲)

اہل بیت کے حق میں دشمنی رکھنے والے اس ناصبی کو بھی وہی جواب دیا جائے گا جو کہ صحابہ کرام کے سلسلہ میں عداوت رکھنے والوں کو دیا جاتا ہے۔

(۱) دیکھئے: الیقین فی إمرة أمیر المؤمنین: ص ۱۳۷، ۱۷۷، بحار الانوار: ۴۰/ ۲۱

(۲) المناقب ۳/ ۵۳، البرہان: البقرة آیت ۵۳

چوتھا اعتراض

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے کا دعویٰ

اعتراض: ہم صحابہ کرام کی عدالت کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں، انہوں نے تو صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے حکم کی نافرمانی ومخالفت کی، جب کہ آپؐ نے ان کو حلق کرنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن انہوں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل نہیں کی؟ بلکہ حضرت عمرؓ نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی کھل کر مخالفت کی جب آپ نے مشرکین کے ساتھ صلح کی تھی، انہوں نے کہا: کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا: کیوں نہیں، حضرت عمرؓ نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، حضرت عمر نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے بارے میں سر کیوں جھکائیں گے؟

جواب: ۱- ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی واقعہ کے اسباب ووجوہات کی تحقیق کے بغیر کسی پر بھی الزام نہ لگائے، اسی طرح اگر وہ حق کا طلب گار ہے تو اس کو منصف ہونا چاہئے، نہ کسی کی طعن وتشنیع کرے اور نہ ہی کسی پر زیادتی، خاص طور پر صحابہ کرام کے بارے میں تو بغیر علم کے کچھ بھی نہ کہے، اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ صحابۂ کرام اپنے نبی سے کس قدر محبت کرتے تھے، ان کی محبت ووارفتگی کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے، آپؐ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لینے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے تھے، آپ کا لعاب دہن زمین پر گرنے کا موقع ہی نہیں آتا تھا، آپ کا کوئی بال زمین پر نہیں

گرپاتا تھا، یہ سب کچھ برکت کے حصول کے لئے کرتے تھے اور یہ محبت کی واضح دلیل ہے، جیسے کہ اس کی تفصیلات حضرت عروہ بن مسعود کی روایت میں آئی ہیں۔

۲- صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے صحابہ کرام کو حکم دیا تو حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی مخالفت نہیں کی بلکہ بیت اللہ کی زیارت وعمرہ کا ان کے اندر شوق تھا اور جذبات تھے، اس لئے جب ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرکے عمرہ ختم کرنے اور احرام سے باہر آنے کا حکم دیا تو اس وقت انہوں نے یہ تمنا کی کہ کاش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فیصلہ بدل دیتے، یا اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا، اس لئے تمام صحابہ نے بلا استثنا تھوڑا سا انتظار اور توقف فرمایا تاکہ شاید کوئی دوسرا فیصلہ ہو، تھوڑی دیر کے لئے انہوں نے اسی امید میں آپ کے حکم پر عمل کرنے میں انتظار کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلق کراکے اور اپنی قربانی ذبح کرکے ان کے پاس تشریف لائے تو اس وقت صحابہ نے سمجھ لیا کہ اب فیصلہ بدلنے کا کوئی سوال نہیں ہے، انہوں نے فوراً اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کی، اپنے سر منڈوائے اور بغیر کسی تردد وپس وپیش کے اپنی اپنی قربانی کا جانور ذبح کیا، انہی صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فأنزل السكينة عليهم وأثابهم فتحا قريبا"۔(الفتح:۱۸)

ترجمہ: "اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

۳- صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر بن خطابؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے فیصلہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ وہ آپؐ کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے اور امت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے، جیسے کہ نبی کریم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کی عادت مبارکہ تھی کہ صحابہ کرام کے ساتھ مشاورت فرماتے تھے، خاص طور پر کبار صحابہ کے ساتھ، کیونکہ مشاورت یہ ایک ایسی سنت ہے جس کی تعمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم پر کرتے تھے، قرآن پاک میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ "وشاورهم في الأمر......" (۱)

ترجمہ: اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔"

فیض الکاشانی اس آیت "وشاورهم في الأمر" کے بارے میں فرماتے ہیں:

یعنی: جنگ اور دوسرے ان امور کے سلسلہ میں ان کے ساتھ مشورہ کیا کیجئے جن میں مشورہ کرنے کی گنجائش ہو، تاکہ ان کی رائے معلوم ہو، ان کی دلجوئی ہو، اور امت کے لئے مشاورت کی سنت جاری ہو، کیونکہ وحدت وانفرادیت عجب اور خود رائی کا ذریعہ ہے، اور مشاورت تعاون کا ذریعہ ہے۔ نہج البلاغۃ میں ہے: "جس نے خود رائی سے کام لیا وہ ہلاک ہو گیا اور جس نے لوگوں سے مشورہ کیا اس نے ان کی عقلوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا، مشاورت میں ہدایت ہی ہدایت ہے، جس نے خود رائی سے کام لیا اس نے خطرہ مول لیا"۔

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ: "اپنے امور میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جن کے دلوں میں اللہ کی خشیت ہو"۔

۱۔ آل عمران: ۱۵۹

اس اہم موقع پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان کو اہل مکہ کے پاس مذاکرات اور گفت وشنید کے لئے بھیجنے کے سلسلہ میں حضرت عمر بن خطابؓ سے مشورہ کیا۔

علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں صلح حدیبیہ کا قصہ مختصر طور پر نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے نکلے، جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی رک گئی، آپؐ نے اس کو آگے بڑھانے کے لئے کوشش کی لیکن وہ نہیں بڑھی اور وہ وہیں بیٹھ گئی، صحابہ کرام نے آپؐ سے کہا: اونٹنی بدک گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایسا تو نہیں کرتی ہے لیکن اس کو ہاتھی کو روکنے والے (اللہ) نے روک دیا ہے، آپؐ نے حضرت عمر بن خطاب کو اہل مکہ کے پاس بھیجنے کے لئے بلایا تاکہ وہ مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں جس کے بعد آپؐ وہیں پر احرام کھولیں گے اور قربانی کریں گے، حضرت عمرؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ان کے ساتھ گہرے تعلقات نہیں ہیں، اور مجھے قریش کے بارے میں اندیشہ ہے، کیوں کہ میں ان سے سب سے زیادہ عداوت ودشمنی رکھتا ہوں، البتہ میں آپ کو ایک ایسے شخص کے بارے میں بتلاتا ہوں جو ان کے نزدیک مجھ سے زیادہ قریب اور مقام ومرتبہ کے حامل ہیں، وہ ہیں عثمان بن عفان! آپؐ نے فرمایا: تم نے سچ کہا"۔(۱)

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشاورت کی وجہ سے ہم حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں کیوں تبصرہ کریں اور کیوں ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم

(۱) تفسیر مجمع البیان: ۹/۱۹۴، بحار الانوار: ۲۰/۳۲۹

کی مخالفت کرنے کا الزام لگائیں اور اس پر پھر بہت سے الزامات کی عمارت کھڑی کریں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس وقت نہیں روکا، اگر وہ منع کرنے یا تنبیہ کرنے کے مستحق ہوتے تو آپؐ ضرور کرتے!

کیا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جاننے والے اور سمجھنے والے ہیں کہ آپؐ نے اپنے اصحاب کی تربیت کیسے فرمائی اور ان کے ساتھ کیسے برتاؤ فرمایا؟

یا ہم پر کوئی ایسی بات منکشف ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی رہی ہو؟!

کیا حضرت عمرؓ کے اس فعل پر غیظ و غضب کا ہمارے نزدیک اور کوئی دوسرا سبب ہے؟!

اس جیسی مشاورت تو حضرت علیؓ اور ان کی جماعت کے افراد کے مابین بھی ہوئی مثلاً معرکہ صفین میں حجر بن عدی جیسے شخص کے ساتھ، جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو حضرت معاویہؓ اور ان کی فوج پر لعن طعن کرنے اور برا بھلا کہنے سے روکا، اس سلسلہ میں حضرت علیؓ نے اور نہ ہی آپؓ کے بعد کسی اور شخص نے حجر بن عدی پر حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے طعن و تشنیع نہیں کی۔

عبداللہ بن شریک سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ: حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق اہل شام سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے اور ان پر لعنت کرتے ہوئے نکلے، حضرت علیؓ نے دونوں سے کہلوایا کہ: مجھے تمہارے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے اس سے باز آجاؤ، وہ دونوں بذات خود آپؓ کے پاس آئے اور کہا: امیر المؤمنین! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؓ نے فرمایا: کیوں نہیں، دونوں نے کہا: کیا وہ باطل پر نہیں ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا: کیوں نہیں، ان دونوں نے کہا: پھر آپ نے ہم کو انہیں برا بھلا کہنے سے کیوں منع کیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں یہ بات گوارہ نہیں ہے کہ تم لعنت کرنے والے اور برا

بھلا کہنے والے بنو۔(۱)

۵- فرض کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ عمل حق سے ہٹا ہوا تھا کیوں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، کسی ناصبی کے اس قول کا ہم کیا جواب دیں گے، اگر وہ کہے کہ: صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت علیؓ مخالفت کرنے والوں میں پیش پیش تھے کیونکہ انہوں نے بھی تمام صحابہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، انہوں نے بھی حلق نہیں کروایا اور نہ ہی قربانی کی؟

بلکہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہ ماننا اور حضرت عمر بن خطاب کی مخالفت سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنا نام مٹانے کے لئے کہا تھا جب کہ وہ قریش کے قاصد سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح نامہ لکھ رہے تھے، اس موقع پر حضرت علی بن ابی طالب- رضی اللہ عنہ- نے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہیں مانا تھا؟

اس کی دلیل وہ روایت ہے جو ابو عبداللہ علیہ السلام نے صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں تفصیل سے بیان کی ہے فرماتے ہیں: امیر المؤمنین علیہ السلام نے صلح نامہ یوں لکھا: اللهم هذا ما تقاضى عليه محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم والملأ من قريش، فقال سهيل بن عمرو: لو علمنا أنك رسول الله ما حاربناك، اكتب: هذا ما تقاضى عليه محمد بن عبد الله ...... " یعنی: اے اللہ، یہ وہ صلح ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سرداران قریش نے اتفاق کیا، سہیل بن عمرو نے

(۱) مستدرک الوسائل: ۱۲/ ۳۰۶، بحار الانوار: ۳۲/ ۳۹۹، وقعۃ صفین: ص: ۳۲۔

کہا: اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے جنگ ہی کیوں کرتے، لکھئے: یہ وہ صلح ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے اتفاق کیا ہے، اے محمد! کیا تم اپنے نسب کے بارے میں عار محسوس کرتے ہو؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم اس کا اقرار نہ کرو، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے علی! اس کو مٹا دو، اور لکھو: محمد بن عبداللہ، امیر المؤمنین علیہ السلام نے کہا: میں نبوت سے آپ کا نام مبارک کبھی نہیں مٹا سکتا ہوں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا....." الحدیث۔(۱)

لہذا ناصبی کے اس قول کا ہم رد کیسے کریں گے جب کہ وہ کہے کہ: حضرت علی بن ابی طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا نام مٹانے کا حکم دیا تھا؟ کیا حضرت علی بن ابی طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متقی، زیادہ جاننے والے اور آپ کا نام نہ مٹانے کے زیادہ حریص ہیں؟ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ان سے بارہا ہوئی مثلاً غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ کہا کہ مدینہ میں رکے رہیں جیسے کہ دوسرے صحابہ تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اور دوسرے وہ لوگ جو عذر کی بنا پر رہ گئے تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت علی نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، یہ کوشش کرتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ نہ لے جانے کا فیصلہ بدل دیں اور ان کو اپنے ساتھ لے جائیں۔

حضرت عائشہ بنت سعد اپنے والد سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی

(۱) مستدرک الوسائل: ۸/۴۳۷

رضی اللہ عنہ- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ثنیۃ الوداع تک آئے، وہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: آپ نے مجھے پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ چھوڑ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ نبوت کے علاوہ دوسرے امور میں میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون تھے"۔(۱)

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرتے ہیں؟ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ مدینہ میں ان کو اپنا جانشین بنانا یہ ان کے لئے فضیلت ہے؟ اگر وہ اس بات سے ناواقف تھے تو یہ مصیبت ہے اور اگر وہ جانتے تھے تو معصیت تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں ان تمام افترا اندازیوں کا جواب بھی ویسے ہی ہے جیسے کہ ہم نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا ہے..... کیونکہ حق تو ایک ہی ہے، اگرچہ افترا اندازیوں کے طریقے مختلف و متنوع ہوں۔

(۱) بحار الانوار: ۳۷/۲۶۲، العمدۃ: ص: ۱۲۷

کہا: اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے جنگ ہی کیوں کرتے، لکھئے: یہ وہ صلح ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے اتفاق کیا ہے، اے محمد! کیا تم اپنے نسب کے بارے میں عار محسوس کرتے ہو؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم اس کا اقرار نہ کرو، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے علی! اس کو مٹا دو، اور لکھو: محمد بن عبداللہ، امیر المومنین علیہ السلام نے کہا: میں نبوت سے آپ کا نام مبارک کبھی نہیں مٹا سکتا ہوں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا....." الحدیث۔(۱)

لہذا ناصبی کے اس قول کا ہم رد کیسے کریں گے جب کہ وہ کہے کہ: حضرت علی بن ابی طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا نام مٹانے کا حکم دیا تھا؟ کیا حضرت علی بن ابی طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متقی، زیادہ جاننے والے اور آپ کا نام نہ مٹانے کے زیادہ حریص ہیں؟ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ان سے بارہا ہوئی مثلاً غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ کہا کہ مدینہ میں رکے رہیں جیسے کہ دوسرے صحابہ تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اور دوسرے وہ لوگ جو عذر کی بنا پر رہ گئے تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت علی نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے، یہ کوشش کرتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ نہ لے جانے کا فیصلہ بدل دیں اور ان کو اپنے ساتھ لے جائیں۔

حضرت عائشہ بنت سعد اپنے والد سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی

(۱) مستدرک الوسائل ۸/۴۳۷

...رضی اللہ عنہ- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ثنیۃ الوداع تک آ گئے، وہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: آپ نے مجھے پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ چھوڑ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ نبوت کے علاوہ دوسرے امور میں میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون تھے"۔(۱)

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرتے ہیں؟ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ مدینہ میں ان کو اپنا جانشین بنانا یہ ان کے لئے فضیلت ہے؟ اگر وہ اس بات سے ناواقف تھے تو یہ مصیبت ہے اور اگر وہ جانتے تھے تو معصیت تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں ان تمام افترا اندازیوں کا جواب بھی ویسے ہی ہے جیسے کہ ہم نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا ہے..... کیونکہ حق تو ایک ہی ہے، اگرچہ افترا اندازیوں کے طریقے مختلف و متنوع ہوں۔

(۱) بحار الانوار: ۳۷/۲۶۲، العمدۃ ص: ۱۳۷

پانچواں اعتراض

واقعہ قرطاس کے سلسلہ میں

اعتراض: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چار دن پہلے جمعرات کے روز صحابہ نے جو کچھ کیا، ان کے درمیان اختلاف ہوا، آپؐ کے پاس ان کی آوازیں بلند ہوئیں اور تحریر لکھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قلم و قرطاس حاضر نہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی۔ بعض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں "ہجر" (ہذیان) کا اتہام لگایا، حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت تکلیف میں ہیں، تمہارے پاس قرآن موجود ہے، ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور سب کو اپنے گھر سے نکال دیا، حضرت عبد اللہ بن عباس اس حادثہ کو "رزیۃ" یعنی مصیبت کہا کرتے تھے، ان تمام چیزوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: ۱- سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی حالت کیسی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کے اختلاف کے اسباب کیا ہیں؟

یہ واقعہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چار دن پہلے کا ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب فراش تھے، آپ شدت الم کی وجہ سے سخت تکلیف محسوس کر رہے تھے، بلکہ سخت تکلیف کی وجہ سے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوتی تھی اور

کبھی افاقہ ہوتا تھا، ایسی ہی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: مجھے کاغذ دو، میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں گا کہ میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے"۔ اس سلسلہ میں صحابہ کے مابین اختلاف ہوا، ان میں سے بعض صحابہ نے چاہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سخت بیماری میں پریشان نہ کیا جائے، اور وہ یہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم حتمی اور وجوب کا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اختیاری اور یاد دہانی کی بات ہے، جب کہ بعض صحابہ نے لکھنے کے لئے کاغذ اور دوات پیش کرنا چاہا۔

۲- عہد نبوی کے بعد کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ اس وقت کی مکمل صورتحال کو پوری طرح سمجھ سکے اور اس کا ویسے تصور کر سکے جیسے کہ ان لوگوں نے سمجھا جو اس وقت موجود تھے، انہوں نے بذات خود اس کا مشاہدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کی شدت کو اپنی نگاہوں سے دیکھا، خاص طور پر ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح کی حالت کبھی طاری نہیں ہوئی تھی، یہ ان کے سامنے پہلا واقعہ تھا، اس لئے ان کی آراء مختلف ہوگئیں۔

۳- اس واقعہ کے ذریعہ صحابہ کرام کے بارے میں طعن و تشنیع کرنا اور ان کی تنقیص کرنا یہ ایک نئی چیز ہے جو اس سے پہلے کسی کی جانب سے نہیں ہوئی ہے، کیونکہ تمام صحابہ کے سامنے اس واقعہ کی حیثیت ایک عام واقعہ کی تھی اور ان کو اس بات کا یقین تھا کہ اس سے کسی طرح یہ استدلال کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ بعض صحابہ پر نفاق، کفر یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کا الزام لگایا جائے، کیا ان کے بعد آنے والے لوگ ان سے زیادہ علم والے اور سمجھنے والے ہو سکتے ہیں؟! انہوں نے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ شب و روز گذار رہے تھے؟

۴- اس پورے واقعہ میں صحابۂ کرام کے بارے میں جن چیزوں کے ذریعہ اعتراض کیا جاسکتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا) صحابہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرنا۔

ب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا اختلاف کرنا اور آوازیں بلند کرنا جو ان کے احترام نہ کرنے کی دلیل ہے۔

ج) بعض صحابہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط الفاظ استعمال کرنا

د) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست کو ٹھکرا دینا۔

ان تمام شبہات کے مختصر جوابات مندرجہ ذیل سطور میں دیئے جارہے ہیں:

ا- صحابہ کرام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرنا:

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہیں کی، بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف محسوس کر رہے ہیں، اس لئے کہ ایسی صورتحال پہلی مرتبہ پیش آئی تھی، وہ جانتے تھے کہ اللہ کی کتاب ان کے پاس موجود ہے اور دین مکمل ہو چکا ہے اس لئے وہ اس سلسلہ میں پس وپیش کا شکار تھے۔

ب- اختلاف کرنا اور آوازیں بلند کرنا:

اس کی کوئی صریح اور واضح دلیل کہیں نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آوازیں بلند کیں، اگر ان کی طرف سے ایسی بات ہوتی تو اللہ کی طرف سے فوراً وحی کے ذریعہ ان کی تنبیہ کی جاتی، خاص طور پر جب کہ سورہ حجرات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرنے کے آداب کی مکمل تفصیلات نازل ہوچکی تھیں۔

صحابہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ایک دوسرے سے سوالات واستفسار کی وجہ سے ایک دوسرے سے آوازیں بلند کیں، خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد معلوم کرنے کے سلسلہ میں انہوں نے ایک دوسرے سے معلوم کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے لکھنا نہیں جانتے تھے۔(۱)

جب ان کے مابین بحث ومباحثہ کافی طویل ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صرف اس اختلاف کے بارے میں منع فرمایا، اگر اور کوئی حدود سے تجاوز کرنے والی بات ہوتی تو اللہ کی طرف سے فوراً حکم نازل ہوجاتا جس کے ذریعہ غلطی پر متنبہ کیا جاتا۔

ج- "بعض حاضرین کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا: "أهجر" یعنی: کیا آپ پر (نعوذ باللہ) ہذیان

(۱) دیکھئے: علل الشرائع: ۱/۱۴۶، بحار الانوار: ۱۳۲/۱۹

طاری ہو گیا ہے''۔

سب سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ روایت میں کہیں بھی اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ جملہ کس نے کہا تھا، ہو سکتا ہے مجلس میں موجود منافقین میں سے کسی نے کہا ہو، یا کسی صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کے بارے میں دریافت کیا ہو جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کے بارے میں فرمایا اور ان صحابی نے یہ سوال کیا ہو کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہذیان کی کیفیت طاری ہو سکتی ہے جیسے کہ ہم پر طاری ہوتی ہے؟ اس کے بعد اس کو مختصر کر کے راویوں نے یوں ہی بیان کر دیا ہو۔

یا کسی نے یہ کہا ہو کہ: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قلم و قرطاس کیوں نہیں لے کر آئیں گے؟ کیا نبی کے بارے میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ پر ہذیان طاری ہو جائے اور دوسروں کی طرح ایسے ہی ہوائی باتیں کریں؟

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات واضح طور پر نہ سنی گئی ہو، کیونکہ اس وقت آپ کی زبان خشک ہو گئی تھی اور آواز صاف نہیں نکل پا رہی تھی، جیسے کہ سخت بخار کی حالت میں ہوا کرتا ہے، تمام سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ مرض الوفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھی متاثر ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ بھی اس کلمہ کی بہت سی توجیہات ہو سکتی ہیں، خاص طور پر عربی زبان میں اس کی کافی گنجائش ہے، اس کے علاوہ کوئی ایسی واضح دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہم پوری تعیین کے ساتھ کہہ سکیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت کون کون موجود تھا، حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن

عباسؓ کے علاوہ اور کسی کی تعیین مذکور نہیں ہے، قارئین کرام کو اس کلمہ کی اتنی توجیہات کرنے کے سلسلہ میں تعجب نہیں ہونا چاہئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے سامنے یہ بات کہی گئی انہوں نے کہنے والے کو کچھ نہیں کہا، بلکہ رب العزت نے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی ہے اپنے خلیل وحبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تنبیہ نازل نہیں فرمائی۔

د- حضرت عمر بن خطاب کا نبی کریم صلی اللہ کے حکم کو ٹھکرا دینا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معمولی درخواست کو ٹھکرا دیں، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنے لمبے عرصہ میں کبھی کسی چیز کے بارے میں انکار نہیں کیا؟

جہاں تک حضرت عمر بن خطابؓ کے اس قول کا تعلق ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں ہیں، اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے اس لئے ہمارے لئے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے'' اس کی مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں، مثلا: حضرت عمرؓ نے صحابہ سے یہ چاہا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باتوں کے ذریعہ اور زیادہ سوالات کر کے مشقت میں نہ ڈالیں، جب کہ آپ سخت تکلیف میں تھے، آپؓ نے ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کرتے ہوئے کیا، اسی لئے انہوں نے کہا: تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا ہے اور شریعت کو بیان کر دیا ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مافرطنا فی الکتاب من شیی'' (انعام: ۳۸)

ترجمہ: ''ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی باقی نہیں رکھی ہے''۔

اس طرح دوسری آیت میں فرمایا ہے: '' الیوم اکملت لکم دینکم

وأتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الإسلام دینا " (المائدۃ:۳)

ترجمہ: " آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے "۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو تحریر فرمانا چاہا تھا بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ اصلاح ونصائح کی قبیل کی چیز تھی، کوئی ایسی نئی چیز نہیں تھی جس کو امت تک پہنچانا ضروری ہو، اور کوئی ایسی بھی چیز نہیں تھی جس کی تبلیغ واجب تھی اور اسلام اس کے بغیر ناقص رہتا! کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کذب وجھوٹ سے بھی معصوم ہیں اور ایسی چیز کے بارے میں غفلت برتنے سے بھی معصوم ہیں جس کا بیان کرنا واجب ہو اور اللہ نے آپ پر اس کی تبلیغ واجب کی ہو۔

اگر وہ کوئی ایسی چیز ہوتی جس کی تبلیغ واجب ہوتی اور امت کے حق میں ضروری ہوتی تو کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالی اس کو بیان کرنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیتا؟!

گذشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت صحت یا حالت مرض میں کسی چیز کی تبلیغ کے مکلف ومامور ہوتے تو ضرور بالضرور اس کو بیان فرماتے، اگر وہ کوئی ایسی چیز ہوتی جس سے امت مستغنی نہیں ہو سکتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو صرف اختلاف کرنے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بیان کرنا نہ چھوڑتے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالی کا حکم تھا: "**بلغ ما أنزل إلیک**"۔ (مائدہ: ۶۷) ترجمہ: " جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچاؤ"۔

جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ایسی کسی چیز کو نہیں چھوڑا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی گئی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی گئی، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم استحباب وتذکر کے لئے تھا نہ کہ وجوب وتشریع جدید کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد چار دن حیات رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرصہ میں دوبارہ تحریر لکھنے کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

۵- مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ صحابۂ کرام کے سلسلہ میں اپنے دل کو بغض وعناد اور کینہ سے پاک کرلے اور ان سے ویسے ہی محبت کرے جیسے کہ ائمہ ان سے محبت کرتے تھے، بلکہ اگر صحابہ یا اور کسی کے بارے میں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو ان کے لئے کوئی عذر تلاش کیجئے، جیسے کہ ائمہ سے یہ قول منقول ہے کہ اپنے مومن بھائی کے لئے کسی چیز میں ستر عذر تلاش کرو......"۔ اسی طرح ان کا یہ قول: " اپنے بھائی کے بارے میں اپنے کان اور نگاہ کی تکذیب کرو......"۔ "الکافی" میں حسین بن مختار سے ابو عبد اللہ کے واسطے سے منقول ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا: اپنے مسلمان بھائی کے عمل کو بہتر سے بہتر محمول کرو، یہاں تک کہ اس کے برعکس کوئی یقینی بات معلوم ہو، اپنے بھائی کی زبان سے نکلی ہوئی بات کے بارے میں سوء ظن سے کام مت لو جب کہ اس میں خیر کے پہلو کی کوئی بھی گنجائش موجود ہو"...... حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ: اگر تم کسی مسلمان کو کوئی ایسا کام کرتے ہوئے دیکھو جس کو تم ناپسند کرتے ہو تو اس کی ستر (۷۰) بہتر تاویلیں کرو......"۔

---

(۱) الحدائق الناضرۃ: ۱۵/ ۳۵۳

لہذا ہمارے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہم بھی ائمہ کے نقش قدم پر چلیں اور صحابۂ کرام کے بارے میں عذر تلاش کریں، خاص طور پر اس کے بارے میں، جب کہ وہ اپنے حبیب کو اس حال میں دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں سخت تکلیف میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" ۔(آل عمران:۱۱۰) ترجمہ: اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

صحابہ کرام آپس سے کہیں چھوٹے چھوٹے مسائل میں ایک دوسرے کو ٹوکتے تھے، ایسے مسئلہ کی تو بات ہی نہیں۔

اتنی صدیاں گذرنے کے بعد ہم اس واقعہ یا اور کسی واقعہ کی وجہ سے صحابہ کرام پر کیوں تنقید کریں؟!! اس سے کیا مقصد حاصل ہوگا؟

کیا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ جاننے والے ہیں؟!

کیا ہم صحابۂ کرام سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں؟

یا پھر ہم خواہش نفس کی پیروی کرنے والے ہیں؟

۶-حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس واقعہ کو مصیبت سے اس وقت تعبیر کرتے تھے

جب کہ وہ حدیث بیان کرتے تھے، یہ اس وقت نہیں فرمایا تھا جب کہ واقعہ پیش آیا تھا، بلکہ کئی سال گذرنے کے بعد اس کو مصیبت سے تعبیر کرتے تھے جب کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یاد آتی تھی اور غمگین ہوتے تھے، تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۷-اگر ہم نے طعن وتشنیع کا طریقہ جاری رکھا، تو اگر کوئی ناصبی یہ اعتراض کرے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ ان تمام مسائل کے اصل سبب ہیں، اس لئے کہ بہت سے مواقع پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی، مثلاً صلح حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مٹانے کے لئے تیار نہیں ہوئے، دوسرے صحابہ کی طرح حلق نہیں کروایا اور نہ ہی قربانی کی، غزوہ تبوک کے موقعہ پر مدینہ میں نیابت کو قبول نہیں کیا۔

بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں بھی آپؓ نے دوسرے صحابہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم وقرطاس طلب کیا تھا، لیکن حضرت علی نے بھی کوئی چیز پیش نہیں کی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، بلکہ غلو کرنے والوں کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت آپؓ نے شریعت اسلامیہ کے احکام کو بدل ڈالا یہاں تک کہ ان کو قصاص شرعی کے بجائے جلا ڈالا۔(۱)

ان سوالات سے اعدائے اسلام کا اسلوب وطرز عداوت واضح ہو جاتا ہے، جو بھی اہل بیت کے ساتھ یا صحابہ کرام کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں وہ اسی طرح کے بے بنیاد اعتراضات کرتے ہیں۔

---

(۱) دیکھئے: بحار الانوار: ۲۴/۳۴۴/۲۱۶

۲۔ شاید موجودہ زمانے میں بہت سے مسلمان اس بات سے ناواقف ہیں کہ ارضِ فدک اللہ کی طرف سے اپنے رسول کے لئے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے بطور فیئ تھی، اور فیئ وہ ہے جو بغیر کسی جنگ کے بطور غنیمت حاصل ہو، اس کا مکمل قصہ سورۃ الحشر میں مذکور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم، وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله إن الله شديد العقاب ". (الحشر:۷)

ترجمہ: "جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ، اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چیز بطور فیئ دی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حق تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی اور گھر والوں کی ضروریات کے لئے متعین فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حاصل شدہ زمین کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور اس کی حفاظت بھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی بھی اس کا وارث نہیں ہوا، کتب تاریخ میں یہ چیز موجود ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتے تھے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عباسؓ نے

اس زمین کی نگرانی کی درخواست کی تو حضرت عمرؓ نے اس درخواست کو قبول کیا اور یہ زمین انہی کے پاس تھی، اس کے بعد حضرت علیؓ کے پاس رہی، عہد عمر، عہد عثمانی اور پھر اپنے دور خلافت میں آپؓ کے پاس ہی رہی، حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت حسن بن علی کے قبضہ میں آئی، اس کے بعد حضرت حسین پھر حسن بن حسن (المثنی) اور آپ کے ساتھ علی بن حسین، پھر زید بن حسن کی ملکیت میں آئی اور اس کے بعد وہ کسی کی ملکیت میں نہیں رہی۔

۳۔ جہاں تک میراث کے مسئلہ کا تعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو باخبر کیا تھا کہ انبیاء مال و دینار کی وراثت چھوڑ کر نہیں جاتے ہیں، ان کی وفات کے بعد جو مال ان کے پاس باقی رہتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے، اس چیز کو تمام ائمہ نے بھی سمجھا اور اسی کو بیان بھی کیا۔

حضرت ابوعبداللہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے علم کی طلب میں کسی راستے پر چلنا شروع کیا، اللہ اس کو جنت کے راستہ پر چلائے گا، بلاشبہ فرشتے طالب علم سے خوش ہو کر اس کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں، جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب طالب علم کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی، ایک عابد پر عالم کی فضیلت ویسے ہی ہے جیسے کہ چودھویں رات میں تمام ستاروں پر چاند کی فضیلت ہوتی ہے، بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے ہیں بلکہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں، جس نے اس کو حاصل کیا اس نے ایک اچھی چیز حاصل کی"۔(۱)

---

(۱) الکافی: ۱/۳۴، بحار الانوار ۱/۱۶۴، امالی الصدوق ص: ۶۰، بصائر الدرجات ص: ۳

ابوعبد اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ: "بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، ایسا اس لئے کیوں کہ انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے ہیں، بلاشبہ وہ احادیث کا وارث بناتے ہیں، جس نے اس میں سے کوئی چیز بھی حاصل کی اس نے بھرپور حاصل کی"۔(۱)

دوسری حدیث میں منقول ہے کہ "بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو درہم و دینار یا غلام یا باندی یا بکری یا اونٹ کا وارث نہیں بنایا، بلاشبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس حال میں قبض ہوئی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس بیس صاع جو کے عوض رہن تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے گھر والوں کے لئے بطور نفقہ یہ جو لئے تھے"۔(۲)

لہذا جو فدک کا مالک تھا یا خیبر کے حصہ کا مالک تھا وہ شخص بیس صاع بطور قرض لیتا ہے اور اپنی زرہ بطور رہن رکھتا تھا!

امیر المؤمنین فرماتے ہیں، سات وجوہات کی بنا پر علم مال سے افضل ہے:

۱-علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فراعنہ کی میراث ہے۔

۲-علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا ہے جب کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے۔

۳-مال اس کی حفاظت کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے جب کہ علم صاحب علم کی حفاظت کرتا ہے۔

---

(۱) الکافی: ۱/۳۲، وسائل الشیعہ: ۲۷/۷۸، مستدرک الوسائل ۱۷/۲۹۹، الاختصاص، ص: ۴

(۲) قرب الاسناد، ص: ۴۴، بحار الانوار: ۱۶/۲۱۹

صحابہ کرام کا تعارف ۱۵۵ قرآن اور اہل بیت کے اقوال کی روشنی میں

۴-علم مرنے کے بعد کفن میں داخل ہوتا ہے جب کہ مال دنیا میں ہی باقی رہتا ہے۔

۵-مال مؤمن و کافر سب کو حاصل ہوتا ہے اور علم خاص طور پر صرف مومن کو حاصل ہوتا ہے۔

۶-دینی امور میں تمام لوگ صاحب علم کے محتاج ہیں وہ صاحب مال کے محتاج نہیں ہیں۔

۷-علم صراط مستقیم پر گامزن رہنے کو تقویت دیتا ہے جب کہ مال روکتا ہے۔(۱)

۴-جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت فاطمہ-علیہا السلام- اپنے والد کی میراث کی سب سے زیادہ مستحق تھیں اور اس مسئلہ میں استدلال اس آیت سے کیا جاتا ہے: "وانی خفت الموالی من وراءی وکانت امرأتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا"۔(مریم:۵-۶)

ترجمہ: مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کردے جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور اے پروردگار، اس کو پسندیدہ انسان بنا"۔

اور دوسری آیت: "وورث سلیمان داؤد" یعنی: اور سلیمان داؤد کے وارث بنے"۔

---

(۱) بحار الانوار: ۱/۱۸۵

تو اس طرح کی آیات سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے، بلکہ ان سے استدلال کرنا قلت فہم اور قلت علم کی دلیل ہے، اس لئے کہ ان دونوں آیتوں میں وراثت سے نبوی وراثت مراد ہے جو علم و حکمت پر مشتمل ہے، یہاں مال کی وراثت مراد نہیں ہے، اس کے عقلی اور نقلی دلائل پائے جاتے ہیں۔

جہاں تک دلائل نقلیہ کا تعلق ہے تو ان کو بیان کیا جا چکا ہے اور جہاں تک عقلی دلائل کا تعلق ہے تو مندرجہ ذیل سطور میں ان کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

پہلی آیت یرثني و یرث من آل یعقوب " (مریم:٦) یعنی: وہ میرے اور آل یعقوب کا وارث بنے"۔

۱۔سید محمد حسین فضل اللہ کہتے ہیں: تا کہ وہ سلسلۂ رسالت کا امتداد اور اس زنجیر کی کڑی بن جائے جو اللہ کی طرف بلائے، اس کے لئے عمل کرے، اسی کے راستہ میں جہاد کرے، اور رسالت اس کی روح، اس کی فکر اور عمل کے ذریعہ جاری و ساری رہے"۔(۱)

۲۔کیا کسی نبی کے بارے میں یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی آ سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اولاد کے لئے فانی دنیا کا مطالبہ کرے اور اس کو اس کا وارث بنائے، جب کہ نبی ابدی جنت اور سرمدی نعمتوں کا حریص ہوتا ہے، لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ مذکورہ آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام مالی وراثت کی دعا کریں۔

۳۔انبیائے کرام سب کے لئے بہترین اسوہ ہوتے ہیں وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں، لہذا اگر وہ لوگوں کو تو انفاق کا حکم دیں تو ان کے لئے یہ

(۱) تفسیر من وحی القرآن سورہ مریم: ٦

کیسے مناسب ہے کہ اپنے پاس متاع دنیا کی یہ فانی چیز باقی رکھیں "أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم وأنتم تتلون الكتاب أفلا تعقلون" (البقرۃ:۴۴) یعنی: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو"۔ بلکہ انبیاء تو سب سے زیادہ خیر کے راستوں میں خرچ کرنے والے ہوتے ہیں۔ زکریا علیہ السلام کی اس دعا میں وراثت سے مال مراد نہیں تھا اس کی وضاحت مندرجہ ذیل نکتہ سے ہوتی ہے:

۴۔اگر ہم اللہ تعالیٰ کے اس پورے قول کو پڑھیں جس میں یہ بھی ہے کہ "ویرث من آل یعقوب"۔ "وہ آل یعقوب کا بھی وارث ہو" تو بغیر کسی تردد کے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وراثت سے علم و نبوت کی وراثت مراد ہے اور کوئی چیز نہیں۔

واللہ! اگر زکریا علیہ السلام کا یہ سوال مال سے متعلق تھا تو کیا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کسی بھی شخص کے لئے یہ ممکن ہے کہ ہمیں بتا سکے کہ آل یعقوب کے گھرانے میں کتنے افراد تھے یا یہ کہ آل یعقوب میں حضرت یحییٰ کی پوزیشن کیا تھی؟

انصاف پسند قاری جب کتاب اللہ کا مطالعہ کرے گا تو یقینی طور پر اس کو یہ بات معلوم ہوگی کہ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کا تعلق آل یعقوب سے تھا، اس لئے کہ اسرائیل سے اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام مراد ہیں، اور انبیاء کے علاوہ بھی بنی اسرائیل میں عام لوگوں کی کتنی بڑی تعداد تھی تو کیا سب کا حصہ صرف حضرت یحییٰ کو ملتا؟!

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ بذات خود علماء کا فہم، تفاسیر میں غور و فکر اور تاریخی دلائل یہ سب چیزیں اس دعویٰ کی تردید کرتی ہیں کہ اس آیت میں مالی وراثت کا تذکرہ ہے۔

یہ ایک بدیہی اور عقلی بات ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ ہو جو کہ نبی ہیں اور زکریا علیہ السلام کا تذکرہ ہو جو کہ نبی ہیں تو فہم سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ یہی سمجھا جائے کہ مراد نبوی اور علم وحکمت کی وراثت ہے، وہ مالی وراثت نہیں چاہتے تھے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ زکریا علیہ السلام مالدار نہیں تھے بلکہ ایک بڑھئی تھے اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے لہذا یحییٰ علیہ السلام کس مال کے وارث بنتے؟!

جہاں تک دوسری آیت سے استدلال کرنے کا تعلق ہے یعنی: "وورث سلیمان داؤد" (نمل: ۱۶) یعنی: اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے" تو اس سے بھی مالی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ نبوت وحکمت اور علم کی وراثت مراد ہے۔

شیخ محمد سبزواری نجفی کہتے ہیں: یعنی: وہ حکومت وسلطنت اور نبوت کے وارث ہوئے بایں طور کہ دوسرے تمام بیٹوں کے مقابلہ میں وہی ان کے قائم مقام ہوئے حالانکہ ان کے انیس بیٹے تھے"۔ (۱)

تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی بیویاں اور باندیاں کافی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کافی اولاد بھی عطا کی تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اولاد میں صرف سلیمان علیہ السلام ان کے وارث ہوئے؟

اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمام بھائی والد کی وراثت میں شریک ہوتے ہیں، لہذا وراثت میں سلیمان علیہ السلام کی تخصیص یہ درست نہیں ہے جب کہ دوسرے ورثاء موجود ہیں۔

(۱) تفسیر الجدید: مزید دیکھئے تفسیر معین (سورۃ النمل: ۱۶)

اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ یہ آیت دنیوی وراثت سے متعلق ہے تو پھر کتاب اللہ میں اس کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت اور فائدہ ہے، یہ تو ایک طبعی اور فطری بات ہے کہ بیٹا اپنے والد کا وارث بنتا ہے پھر کتاب اللہ میں بلاغت، عبرت ونصیحت اور فائدہ کیسے حاصل ہوگا جب کہ ایسی چیز کا تذکرہ کیا جائے جو لوگوں کو معلوم ہو اور اس کو ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو؟!

۵- طالب حق کے سامنے یہاں پر بعض سوالات پیدا ہو سکتے ہیں:

حضرت فاطمہ الزہراء -علیہا السلام- نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ اس طور پر کیا تھا کہ وہ ان کا وراثتی حق تھا یا وہ ان کو ان کے والد کی طرف سے ہبہ اور ہدیہ ملا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فتح خیبر کے بعد ہبہ کیا تھا۔

اس سوال کا ثمرہ اور نتیجہ اخیر میں سامنے آئے گا البتہ یہ بات مسلم ہے کہ فاطمہ -علیہا السلام- نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منع کرنے کی دلیل بیان کر دی تو وہ چلی گئیں اور ان سے پھر بات نہیں کی، تو کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وراثت کا مطالبہ کر رہی تھیں یا ہبہ کا، اگر وہ وراثت کا مطالبہ تھا تو انبیاء دینار ودرہم کا وارث نہیں بناتے ہیں، جیسے کہ اس کی تفصیل آچکی ہے، اور اگر وہ ہدیہ یا ہبہ تھا تو اس سلسلہ میں چند چیزیں قابل غور ہیں:

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی حضرت فاطمہ کو فدک کی زمین نہیں دی، کیا حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اس وقت اس کا علم ہوا جب کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا اور ان سے وراثت کی حیثیت سے نہ کہ ہبہ کی حیثیت سے مطالبہ کیا تھا، تاریخی طور پر یہ معلوم ہے کہ خیبر کی فتح سن سات ہجری کے آغاز میں ہوئی اور

حضرت زینب بنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سن آٹھ میں ہوئی، ان کی بہن حضرت ام کلثوم کی وفات سن نو ہجری میں ہوئی، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو چھوڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ اور ہدیہ کیسے دے سکتے تھے، کیا حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب کو ایسے ہی چھوڑ دیتے ؟!

یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صریح الزام واتہام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ اپنی اولاد کے بارے میں ناانصافی اور تفریق کرتے تھے۔نعوذ باللہ من ذلک۔

۳- بالفرض اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ ارض فدک حضرت فاطمہؓ کے لئے ہبہ اور عطیہ تھی تو حضرت فاطمہ نے اس پر قبضہ کیا تھا یا نہیں؟

اگر انہوں نے اس پر پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا تو پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں آتی ہیں اور مطالبہ کرتی ہیں؟ اور اگر اس پر قبضہ نہیں کیا تھا تو شرعی اعتبار سے اگر ہبہ پر قبضہ نہ کیا ہو تو ایسا ہی ہے جیسے کہ موہوب لہ کو وہ چیز دی ہی نہ گئی ہو اور یہ چیز واہب کے ورثاء کو مل جاتی ہے۔

۴- ہمارے ہاں فقہ میں یہ معلوم حقیقت ہے کہ اراضی کی جائداد میں عورتوں کو بعینہ وہی میراث نہیں ملتی ہے بلکہ ان کے لئے اس کی قیمت لی جاتی ہے اور ائمہ سے اس کا ثبوت ہے۔

یزید صائغ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں عبداللہ علیہ السلام سے عورتوں کے بارے میں معلوم کیا کہ کیا وہ زمین کی وارث ہوں گی؟ انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ وہ قیمت کی وارث ہوں گی، کہتے ہیں میں نے کہا: لوگ تو اس راضی نہیں ہوتے ہیں، انہوں نے کہا: اگر ہم والی بنے اور پھر وہ راضی نہ ہوں تو ان کو ہم کوڑوں کے ذریعہ ماریں گے، اگر وہ پھر بھی

درست نہ ہوئے تو ان کو تلوار سے ماریں گے۔(۱)

۷- واقعہ کی اصل صورتحال اور صحیح توجیہ:

تمام خواتین جنت کی سردار حضرت فاطمہ الزہراء نے کسی ناحق چیز کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جس کو وہ اپنا حق سمجھتی تھیں، اور جب حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے سامنے منع کرنے کا سبب بیان کر دیا تو وہ خوش دلی کے ساتھ چلی گئیں اور اس معاملہ کے بارے میں دوبارہ بات نہیں کی ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی حضرت ابوبکرؓ سے بات کرنا چھوڑ دیا ہو۔

اس توجیہ اور بیان کی وضاحت حضرت علیؓ کے طرز عمل سے ہوتی ہے کیونکہ وہ جب خلیفۃ المسلمین بنے تو انہوں نے فدک کو اپنی اولاد کے سپرد نہیں کیا بلکہ جب ان سے اس سلسلہ میں مطالبہ بھی کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: مجھے اللہ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں ایسی چیز کو واپس لوں جس کو دینے سے حضرت ابوبکرؓ نے منع کر دیا اور حضرت عمرؓ نے بھی انہی کے فیصلہ کو برقرار رکھا"۔(۲)

لہذا اگر حضرت ابوبکرؓ پر یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمۃ الزہراء کو ان کا حق نہ دے کر (نعوذ باللہ) ظلم کیا تو کیا پھر۔نعوذ باللہ۔حضرت علیؓ پر بھی یہی حکم لگایا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنی اولاد کو ان کی ماں کا وراثتی حق نہیں دلوایا؟!

اہل بیت اور تمام مسلمانوں سے محبت رکھنے والا شخص ہر ایک کو ظلم کرنے سے بالاتر

---

(۱) الکافی: ۷/۱۲۹، مزید دیکھئے: وسائل الشیعہ ۲۶/۱۰۷، تہذیب الاحکام: ۹/۲۹۹

(۲) شرح نہج البلاغہ ۱۶/۲۵۲

سمجھتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے تمام صحابہؓ کے بارے میں بدگمانی سے دور رہتا ہے اس کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل دو باتوں سے بھی ہوتی ہے۔

۸- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس جائداد کے بارے میں اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے یا دوسری امہات المومنین کے لئے دعوی نہیں کیا بلکہ میراث کی حرمت میں تمام اہل بیت شامل ہیں (بحار الانوار: ۲۵/۰۷) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی بنیاد پر ہی کیا، تو کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر عمل کر کے غلطی کا ارتکاب کیا؟

۹- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہ کو میراث نہیں دی، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس کا سبب عداوت وکراہیت تھی جیسے کہ بعض فتنہ پرور لوگ اس طرح کی بات کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لئے اس وقت کوئی خادمہ نہیں دی جب کہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا تھا، حالانکہ شرعی اعتبار سے یہ مباح ہے، تو کیا ہم -نعوذ باللہ- اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی طرح الزام لگائیں گے؟!

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے: ''......پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تشریف لے جانے لگے تو حضرت فاطمہ نے آپؐ سے کہا: ابا جان! میں گھر کا کام نہیں کر سکتی ہوں اس لئے مجھے ایک خادمہ عنایت فرما دیجئے جو میری خدمت کیا کرے اور گھر کے کاموں میں میری معاونت کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم خادم سے بہتر چیز چاہتی ہو؟ حضرت علیؓ نے کہا:

کہو: کیوں نہیں، انہوں نے کہا: ابا جان! کیا خادم سے بہتر چیز؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرو، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ پڑھا کرو اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو، یہ پڑھنے کے اعتبار سے تو سو بار ہوگا لیکن میزان میں ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی''۔(۱)

۱۰- کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ -علیہا السلام- کے ناراض ہونے کی وجہ سے ناراض ہوتے تھے، یہ بالکل صحیح ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت فاطمہ -رضی اللہ عنہا- کو ناراض کرنا نہیں تھا، اس لئے کہ ان کا منع کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل تھی، یہ اگر کوئی بھی کرتا چاہے حضرت ابوبکر صدیق کرتے یا اور کوئی، کسی کے لئے بھی کوئی برائی کی بات نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء جب بھی ناراض ہوں تو ہر موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ اور فاطمہ الزہراء کے مابین بھی ایسی معاملات پیش آئے جیسے کہ میاں بیوی کے مابین پیش آتے رہتے ہیں، تو کیا ایسی چیزوں کی وجہ سے ہم حضرت علیؓ کی عدالت کے بارے میں کلام کر سکتے ہیں، جیسے کہ بہت سے لوگ اس حدیث کا مطلق مفہوم لیتے ہیں!

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچازاد بھائی اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء کے مابین عدل وانصاف کا معاملہ فرماتے تھے نہ کہ جذباتیت اور پدری

(۱) کشف الغمۃ ۱/۳۶۲، بحار الانوار ۴۳/۱۳۳

سمجھتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے تمام صحابہؓ کے بارے میں بدگمانی سے دور رہتا ہے اس کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل دو باتوں سے بھی ہوتی ہے۔

۸- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس جائداد کے بارے میں اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے یا دوسری امہات المومنین کے لئے دعویٰ نہیں کیا بلکہ میراث کی حرمت میں تمام اہل بیت شامل ہیں (بحار الانوار: ۲۵/۷۰) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی بنیاد پر ہی کیا، تو کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر عمل کر کے غلطی کا ارتکاب کیا؟

۹- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہ کو میراث نہیں دی، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس کا سبب عداوت و کراہیت تھی جیسے کہ بعض فتنہ پرور لوگ اس طرح کی بات کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لئے اس وقت کوئی خادمہ نہیں دی جب کہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا تھا، حالانکہ شرعی اعتبار سے یہ مباح ہے، تو کیا ہم - نعوذ باللہ - اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی طرح الزام لگائیں گے؟!

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے: "......پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تشریف لے جانے لگے تو حضرت فاطمہ نے آپؐ سے کہا: ابا جان! میں گھر کا کام نہیں کر سکتی ہوں اس لئے مجھے ایک خادمہ عنایت فرما دیجئے جو میری خدمت کیا کرے اور گھر کے کاموں میں میری معاونت کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم خادم سے بہتر چیز چاہتی ہو؟ حضرت علیؓ نے کہا:

کہو: کیوں نہیں، انہوں نے کہا: ابا جان! کیا خادم سے بہتر چیز؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرو، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ پڑھا کرو اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو، یہ پڑھنے کے اعتبار سے تو سو بار ہوگا لیکن میزان میں ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی"۔(۱)

۱۰- کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ - علیہا السلام - کے ناراض ہونے کی وجہ سے ناراض ہوتے تھے، یہ بالکل صحیح ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت فاطمہ - رضی اللہ عنہا - کو ناراض کرنا نہیں تھا، اس لئے کہ ان کا منع کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل تھی، یہ اگر کوئی بھی کرنا چاہے حضرت ابوبکر صدیق کرتے یا اور کوئی، کسی کے لئے بھی کوئی برائی کی بات نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء جب بھی ناراض ہوں تو ہر موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ اور فاطمہ الزہراء کے مابین بھی ایسی معاملات پیش آئے جیسے کہ میاں بیوی کے مابین پیش آتے رہتے ہیں، تو کیا ایسی چیزوں کی وجہ سے ہم حضرت علیؓ کی عدالت کے بارے میں کلام کر سکتے ہیں، جیسے کہ بہت سے لوگ اس حدیث کا مطلق مفہوم لیتے ہیں!

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچازاد بھائی اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء کے مابین عدل و انصاف کا معاملہ فرماتے تھے نہ کہ جذباتیت اور پدری

(۱) کشف الغمہ ۱/۳۶۲، بحار الانوار ۴۳/۱۳۳

جانبداری کا معاملہ۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ کی شکایت کی اور کہا: اے اللہ کے رسول! وہ جو کچھ بھی پاتے ہیں اس کو غرباء میں تقسیم کر دیتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم مجھے میرے بھائی اور چچا کے بیٹے کے بارے میں ناراض کرتی ہو، اس کی ناراضگی میری ناراضگی ہے، اور میری ناراضگی اللہ عزوجل کی ناراضگی ہے۔(۱)

۱۱- ہم نے ابتداء میں اس کا تذکرہ کیا تھا کہ دشمنان اسلام کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کریں اور غلط باتوں کی ترویج اور خود ساختہ واقعات کو عام کر کے وہ اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، جن واقعات کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہو کہ پہلی مبارک نسل کے مابین بغض وعناد پایا جاتا تھا، ہم اگر اپنے آپ سے پوچھیں اور ذرا عقل سے کام لیں کہ ایک ایسے قصہ سے ہم کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے جس کو بعض مجالس میں سالانہ دہرایا جاتا ہے اور جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے اور یہ صرف ایسے بے بنیاد واقعات کو ذکر کر کے کیا جاتا ہے جن سے اہل بیت کے تئیں عداوت ودشمنی کا اظہار ہوتا ہو۔

ایک عاقل وبینا منصف شخص اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کے بارے میں ذرا تامل سے کام لے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو بھی فیصلہ کیا وہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد خالص شرعی حکم کے بموجب تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے، لہذا اس میں حضرت ابوبکرؓ کی کیا غلطی ہے اگر

(۱) بحار الانوار: ۴۳/۱۵۳، کشف الغمہ: ۱/۴۷۳

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں؟!

اس کے برعکس بہت سے ناصبی اہل جنت کی سردار حضرت فاطمہؓ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

فاطمہ کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے، تمام مسلمانوں کی مخالفت کرتی ہیں یہاں تک کہ ان کی ناراضگی اور جھگڑا یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے ابدی قطع تعلق کر لیتی ہیں جس سے اسلام منع کرتا ہے اور یہ سب کچھ خواہش نفس اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اور مال ودولت اور فانی دنیا کی محبت کی وجہ سے تھا، اسی لئے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا، اسی طرح وہ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہت زیادہ پریشان کرتی تھیں خاص طور پر شروع میں حضرت علیؓ سے شادی نہ کرنے کے سلسلہ میں مسلسل بحث کیا کرتی تھیں کیونکہ وہ شروع میں کم دست اور بے مایہ تھے، روایات سے یہ چیزیں ثابت ہیں مثلاً:

ابو اسحاق سبیعی سے حارث کے واسطے سے حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: فاطمہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص سے تمہارا نکاح کیا جو میری امت میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والا، سب سے زیادہ بردبار اور سب سے زیادہ علم والا ہے؟ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار بنو، البتہ مریم بنت عمران کے لئے بھی اللہ تعالی نے ایک خاص مقام رکھا ہے اور تمہارے دونوں بیٹے جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"۔(۱)

(۱) آمالی الطوسی: ۲۴۸

ابوصالح سے حضرت ابن عباس کے واسطے سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: فاطمہ-علیہا السلام- بھوک اور کپڑوں کی وجہ سے روپڑیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ! اپنے شوہر پر قناعت کرو، واللہ! وہ دنیا میں بھی سردار ہیں اور آخرت میں بھی سردار ہیں......"(۱)

اہل بیت سے محبت کرنے والو! کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ جو ناصبیوں کی طرح ان پاکیزہ نفوس سے بغض وحقد رکھتے ہیں؟ یا آپ صحیح ومبارک طریقہ اختیار کر کے اہل بیت کی جانب سے دفاع کریں گے جب کہ ان لوگوں کے تئیں دل بالکل پاک وصاف ہو جو سید البشر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ان دونوں زمروں میں کون سا زمرہ بہتر ہے؟

---

(۱) المناقب ۲/ ۳۱۹، بحار الانوار ۴۳/ ۹۹

ساتواں اعتراض

حضرت ابوبکرؓ کا حضرت فاطمہؓ کی توہین کرنے کا دعوی

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو کچھ کیا، آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے جب کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے گھر پر حملہ کیا، ان کو باندھ دیا، اور ان کی زوجہ کو مارا یہاں تک کہ ان کی ہڈی ٹوٹ گئی، اور ان کا جنین ساقط ہو گیا، اس کے بعد ان کے گھر کو خاکستر کر دیا، جیسے کہ تاریخی روایات میں مذکور ہے؟

کیا ان جیسے قبیح افعال کے ذریعہ کہیں بھی محبت وہمدردی ظاہر ہوتی ہے یا ان سے اہل بیت سے نفرت وعداوت ظاہر ہوتی ہے؟

جواب: ۱- کسی بھی طالب حق کے لئے مناسب نہیں ہے کہ صرف کسی بھی تاریخی روایت کو پڑھ کر متاثر ہو، وہ اس کے مصدر وماخذ سے ناواقف ہو، چہ جائے کہ اس کی صحت وسقم کو جانتا ہو، اس کے بعد اس کو صرف پڑھ کر اس کو لوگوں میں عام کر دے، ہم دیکھتے ہیں کہ ان روایات کے ذریعہ بہت سے لوگ جذباتی کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد صحابہ کرام کے بارے میں ان کے دل میں بغض وعناد پیدا ہو جاتا ہے۔

اہل بیت، خیر اور علم سے محبت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر چیز کی تحقیق کرے اور روایات کو قبول کرنے کے سلسلہ میں بہت ہی باریک بینی سے کام لے اور صرف ان صحیح روایات پر عمل کرے جو حدیث کی صحیح شرائط پر پوری اترتی ہوں اور کبھی بھی کسی متعین واقعہ کے سلسلہ میں موضوع اور گڑھی ہوئی احادیث سے دھوکہ نہ کھائے، اگرچہ وہ کتنی ہی لوگوں میں عام ومشہور ہو گئی ہوں۔

۳- یہ قصہ بھی انہی من گھڑت کہانیوں میں سے ہے، جن کو فتنہ پرور لوگ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس لئے ہم ہر طالب حق سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ کوئی بھی ایک روایت تلاش کر کے پیش کرے جس سے اس من گھڑت قصے کا ثبوت ملتا ہو، اور وہ حدیث کے صحیح قواعد پر پورا اترتا ہو، جس کی سند بھی متصل ہو، اور اس کا راوی بھی عادل وثقہ ہو۔

عجیب وغریب بات ہے کہ اس قصہ سے استدلال کرنے والے اس روایت پر آخری درجہ کا ایمان رکھتے ہیں اور صرف جذبات سے متاثر ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں ذرہ برابر غور وفکر نہیں کرتے ہیں۔

سید ہاشم معروف حسنی حضرت فاطمہ الزہراء سے متعلق ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں جن کی سند قواعد کے اعتبار سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہیں۔(۱)

مزید فرماتے ہیں: بہر حال اصل صورتحال جو بھی ہو، لیکن فدک کے بارے میں، حضرت فاطمہؓ کی میراث کے بارے میں اور اس سے متعلق بہت سے واقعات کافی طویل بھی ہیں اور بہت زیادہ ہیں لیکن اس میں شک وشبہ کی کوئی بات نہیں ہے کہ دشمنان اسلام نے ان روایات کا ایک معتدبہ حصہ وضع کیا اور تحقیق وتمحیص کے بعد ان روایات میں سے بہت ہی کم روایات صحیح طور پر ثابت ہوتی ہیں۔(۲)

(۱) دیکھئے: سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر ۱/۱۳۳

(۲) سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر ۱/۱۴۰

کاشف الغطاء فرماتے ہیں: لیکن حضرت فاطمہ الزہراء کو مارنے والے قضیہ کو میرا وجدان میری عقل اور میرا شعور واحساس قبول نہیں کر سکتا ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ یہ لوگ اس خطرناک جرم کی جرأت نہیں کر سکتے تھے بلکہ اس لئے بھی کیونکہ عربی عادات اور جاہلی تقالید جن کو شریعت اسلامیہ نے اور مستحکم کیا اور ان کو مزید مؤکد کیا، میں بھی سختی سے عورت کو مارنے کی ممانعت پائی جاتی ہے۔(۱)

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ سے اس وقت مقابلہ نہ کریں جب کہ ان کی زوجہ تمام خواتین کی سردار پر زیادتی کی گئی، تاکہ پرچم اسلام محفوظ رہے، ملت میں افتراق وانتشار نہ ہو اس لئے ان کو ان کی طرف سے ملنے والی تکلیف پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

لیکن ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں:

سب سے پہلے تو ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ بات بالکل غیر صحیح ہے، اگر اس کو تسلیم بھی کیا جائے تو پھر جنگ جمل میں انہوں نے حضرت طلحہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کیوں مقابلہ کیا؟ اسی طرح اس کے بعد پھر صفین میں حضرت معاویہؓ کے لشکر سے مقابلہ ہوا، اور پھر نہروان میں بھی جب کہ خوارج کے ساتھ مقابلہ کیا، ان تمام مواقع پر پھر انہوں نے کیسے قتال کیا، کیا پھر اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر۔ نعوذ باللہ۔ عمل نہیں کیا؟

لیکن حقیقت یہی ہے اور پیش آمدہ واقعات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ

(۱) دیکھئے: جنۃ المأوی: ص ۱۳۵

حضرت علیؓ کو کسی نے بھی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ ان پر جب ظلم کیا جائے اور اللہ کے شعائر کو پامال کیا جائے تو وہ مقابلہ نہ کریں اور جہاں تک دعوے کا تعلق ہے کہ حضرت علیؓ کی معزز زوجہ پر ظلم کیا گیا اور انہوں نے ان کے لئے بدلہ نہیں لیا، تو اس روایت کو زبان سے ادا کرنے سے پہلے ایک مسلمان کو امیر المؤمنین حضرت علیؓ کا حال اور اللہ کے دین کے بارے میں اسی طرح اہل بیت سے تعلق رکھنے والی زوجہ مطہرہ کے بارے میں ان کی غیرت وحمیت کا استحضار کر لینا چاہئے۔

امام صادق–علیہ السلام– سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو شخص ظلم کے دفاع میں مارا گیا تو وہ شہید ہے"۔(۱)

تو کیا امیر المؤمنین اور بہادروں کے شہسوار کے بارے میں یہ بات کسی سے پوشیدہ ہے؟!

ایک مسلمان کو اس سے محتاط رہنا چاہئے کہ ایسا کلام زبان سے ادا کرے جو اس کے حق میں نہ ہو بلکہ اس کے لئے وبال جان بنے، کیونکہ جو شخص یہ دعوی کرتا ہو کہ حضرت علی شہسوار تھے اور انہوں نے جیش طلحہ کے ساتھ مقابلہ کیا، اسی طرح اس کے بعد صفین میں بھی مقابلہ کیا۔ تو پھر وہ اپنے اہل بیت کی نصرت کرتے وقت کیوں پیچھے ہٹ گئے جب کہ ان کو اتنا پریشان کیا گیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ شہید نہ ہو جائیں؟!

۴–فتنہ پرور انسان جو صحیح روایات کا التزام نہ کرتا ہو وہ سند کے اعتبار سے غیر صحیح روایات بیان کر سکتا ہے، صرف اسلئے کیونکہ وہ کتب تاریخ وادب میں موجود ہیں اور عام

(۱) الکافی: ۵/۵۲، تہذیب الاحکام ۶/ ۱۶۷، وسائل الشیعہ ۱۵/ ۱۲۱

ہیں، اس کے بعد ان پر یقین بھی کرتا ہو اور پھر یہ اس کے نزدیک یقینی اور مسلم اشیاء کی طرح ہو جائیں جن کی صحت کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔

بلکہ اہل بیت سے بغض رکھنے والا اور ان کے بارے میں افترا اندازی کرنے والا یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء کو مارنے کا واقعہ، اسی طرح ان کے جنین کے گر جانے کا قضیہ اور ان کے گھر کو جلانے کا معاملہ ایک طے شدہ سازش کا نتیجہ ہے جس کو–نعوذ باللہ– حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے اشتراک سے حضرت فاطمۃ الزہراء کا کام تمام کرنے کے لئے رچا تھا۔

اس بے بنیاد اور غلط الزام واتہام کا دار ومدار بغض رکھنے والے کے ایسے دلائل پر ہے جن کو وہ اس من گھڑت قصے سے مستنبط کرتا ہے، اس کے استدلالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱–حضرت علیؓ نے اس وقت بہت ہی بہترین رول ادا کیا جب کہ انہوں نے اپنے آپ کو صحابہ کے حوالے کر دیا، جب وہ گھر میں داخل ہو رہے تھے تا کہ حضرت علیؓ اپنے گھر والوں کو یہ باور کرائیں کہ وہ بھی اسی سازش کا شکار ہوئے ہیں، ایک ایسے شخص کی جانب سے جس کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر گئی تھی اور دوسری کی عمر ترپن (۵۳) سال سے تجاوز کر چکی تھی، حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ کی طاقت کے سامنے جن وانس میں سے کوئی بھی نہیں ٹک سکتا تھا، جیسے کہ ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے تنہا خیبر کے عظیم دروازہ کو نکالا، حالانکہ چالیس لوگ ایک ساتھ اس کو اٹھا نہیں سکتے تھے۔

۲–یہ کہنا کہ مسلمانوں کے خون کو بہنے سے بچانے کی خاطر حضرت علیؓ نے دفاع یا مقابلہ نہیں کیا ایک بے بنیاد اور کمزور دلیل ہے، کیونکہ–ان کے بقول نعوذ باللہ– نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے تین صحابہ کے تمام صحابہ دین سے پھر گئے تھے، تو کیا مسلمانوں کے خون سے حضرت علیؓ کی مراد صرف ان تین کا خون تھا؟!! اور کیا ان کے نزدیک صحابہؓ کا خون حضرت فاطمۃ الزہراء کے خون سے زیادہ قیمتی اور پاک ہے، جس کی وجہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کا دفاع نہیں کرتے ہیں؟!!

۳- حضرت فاطمہ الزہراء کی وفات کے نو دن بعد حضرت علیؓ نے بنو حنیفہ کی ایک خاتون سے شادی کی جن کا بیٹا ابن الحنفیہ کے نام سے ملقب ہوا اور اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی بیٹی ام کلثوم کو اس سازش کے ایک رکن حضرت عمر بن خطاب کی زوجیت میں دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے دشمنوں کے ساتھ تعلقات کو مستحکم بنانا چاہتے تھے اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے ساتھ محبت و وفاداری کا سلوک نہیں کرتے تھے۔

۴- کیونکہ حضرت علیؓ خلیفہ اول وثانی کے زمانہ میں قاضی اور وزیر کے عہدہ پر فائز ہوئے تو انہوں نے اتنا شاندار رول ادا کر کے گویا اس کا بدلہ عطا کیا۔

۵- انہوں نے اپنی اولاد کو ابوبکر و عمر و عثمان کے ناموں سے موسوم کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیوہ سے نکاح کیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماضی کے ان کے کارناموں کو باقی رکھنا چاہتے تھے اگر چہ یہ حضرت فاطمہ کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۶- حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ الزہراء کی اولاد کو ان کی والدہ کی فدک والی میراث نہیں دی جب کہ وہ خلیفۃ المسلمین بنے، اپنے سے پیش رو خلفاء کے نقش قدم پر ہی چلتے رہے بلکہ انہوں نے تراویح کو بھی برقرار رکھا اور متعہ کو بھی جائز نہیں قرار دیا۔

کیا اہل بیت سے محبت کرنے والا کوئی بھی شخص اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ

کوئی بھی بغض رکھنے والا فتنہ پرور ناصبی اس طرح کے الزامات واتہامات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی جانب منسوب کرے، اور یہ بھی صرف ایسی روایات کی بنیاد پر جو من گھڑت اور جھوٹی ہوں جن سے کسی بھی صورت میں استدلال کرنا درست اور مناسب نہیں ہے؟!

☆☆☆

آٹھواں اعتراض

مالک بن نویرہ اور ان کی بیوی کے متعلق خالد بن ولیدؓ کا موقف

اعتراض: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت کے آغاز میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں صحابہ کی ایک جماعت روانہ کی اور انہوں نے صرف مسلمانوں کے خون کو اس لئے جائز قرار دیا، کیونکہ وہ ناواقفیت کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر رہے تھے جیسے کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کی قوم کے ساتھ کیا، اور حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا اور اسی رات مالک کی بیوی سے نکاح بھی کر لیا، ان تمام چیزوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: ۱۔کلمہ شہادت اور نماز کے بعد زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے ایک عظیم رکن ہے، یہ مالداروں کے مال میں فقراء اور مساکین کا حق ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں نماز اور زکوٰۃ کو اکثر ایک ساتھ بیان فرمایا ہے: مثلاً: "وآتوا الزکٰوۃ وارکعوا مع الراکعین " (بقرہ: ۴۳)

ترجمہ: "نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ"۔

"و اقیموا الصلاۃ و آتوا الزکاۃ وما تقدموا لأنفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ إن اللہ بما تعملون بصیر "۔ (بقرہ: ۱۱۰)

ترجمہ: نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دو، تم اپنی عاقبت کے لئے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو گے، اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے، جو کچھ تم کرتے ہو، وہ سب اللہ کی نظر میں ہے"۔

ابو جعفر سے منقول ہے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بیان فرمایا ہے، فرمایا ہے: واقیموا الصلوۃ و آتوا الزکاۃ ' لہذا جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کی نماز بھی ادا نہیں ہوئی"۔(۱)

محمد بن مسلم، ابو بصیر، برید اور فضیل سب کے سب ابو جعفر اور ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو فرض کیا ہے"۔(۲)

اسی لئے تارکِ زکوٰۃ کا حکم بھی تارکِ نماز جیسا ہے اور وہ قتل ہے، اس کا ثبوت قرآن پاک میں بھی موجود ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **فاذا انسلخ الأشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم وخذوہم واحصروہم واقعدوا لہم کل مرصد، فإن تابوا وأقاموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ فخلوا سبیلہم إن اللہ غفور رحیم** " (توبہ: ۵)

ترجمہ: پس جب حرام مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو"۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو، اللہ درگذر فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

علی بن ابراہیم نے اسماعیل بن مرار سے، انہوں نے یونس سے، انہوں نے ابن مسکان سے مرفوعاً ایک شخص کے واسطے سے اور اس نے ابو جعفر سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ نے

---

(۱) الکافی: ۳/۵۰۶، من لا یحضرہ الفقیہ ۲/۱۰، وسائل الشیعہ ۹/۲۲

(۲) الکافی ۳/۴۹۷، وسائل الشیعہ ۹/۱۳

فرمایا: اے فلاں! فلاں، فلاں کھڑے ہو جاؤ! یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ لوگوں کا نام لیا اور اس کے بعد ان سے فرمایا: ہماری مسجد سے نکل جاؤ، اس میں نماز مت پڑھو کیونکہ تم زکوۃ نہیں دیتے ہو"۔(۱)

۲۔ کبار علماء کی روایت کردہ تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے اعراب اسلام سے مرتد ہو گئے اور بعض نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔

علامہ طوسی نے امالی میں ابراہیم بن مہاجر سے ابراہیم کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ اشعث بن قیس اور بہت سے لوگ اس وقت ارتداد کا شکار ہو گئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، ان لوگوں نے کہا: ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوۃ نہیں دیں گے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور کہا: میں کسی ایسے عہد و پیمان کو نہیں توڑ سکتا ہوں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو اور نہ ہی اس چیز میں کوئی کمی کر سکتا ہوں جس کو اللہ کے نبی تم لوگوں سے وصول کرتے تھے، میں تم سے جہاد کروں گا، اگر لوگوں نے ایک رسی دینے سے بھی انکار کر دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دیا کرتے تھے تو میں اس رسی کی وجہ سے تم سے جہاد کروں گا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھی، **وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل** (آل عمران: ۱۴۴)(۲)

ترجمہ: "محمد اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور

(۱) الکافی ۳/۵۰۳، من لا یحضرہ الفقیہ ۲/۱۲، وسائل الشیعہ ۹/۲۴، تہذیب الاحکام ۴/۱۱۱

(۲) الامالی ص: ۲۶۲، بحار الانوار: ۲۸/۱۱۔

رسول بھی گذر چکے ہیں۔"

اسی عظیم موقف کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج روانہ کی تاکہ وہ ان مرتدین سے قتال کریں، جن لوگوں سے حضرت خالد بن ولید نے جنگ کی ان میں مالک بن نویرہ کی قوم بھی تھی، انہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، نہ حضرت ابوبکر کو دی اور نہ ہی اور کسی کو۔

۳۔ بہت سے فتنہ پرور اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والے لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس عمل کو برا سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت سے غزوات اور جنگوں میں حضرت خالد بن ولید کو لوگوں کو قتل کرنے کے لئے اور ان کا مال چھیننے کے لئے بھیجا۔ (جیسے کہ بہت سے لوگ افترا اندازی کرتے ہوئے اور بہتان تراشی کرتے ہوئے کہتے ہیں)۔

صحیح بات یہ ہے کہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی حضرت خالد بن ولیدؓ کو افواج کی قیادت کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو بھیجا کرتے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مختلف معرکوں میں امیر بنا کر بھیجا، مثلاً طائف، یمن، بحرین، دومۃ الجندل اور دیگر بہت سے مقامات پر۔

حالانکہ حضرت خالدؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان عظیم مواقع پر بھیجا گیا لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ ان جلیل القدر صحابی کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہیں اور ان کی حسنات اور کارہائے نمایاں کو مخفی رکھتے ہیں تاکہ ان کی شبیہ کو بگاڑ کر پیش کیا جائے۔

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم**

ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون"۔ (النور:۵۵)

ترجمہ: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

یہ تینوں شرائط صحابۂ کرام کو حاصل ہوئیں، استخلاف بھی، دین کا استحکام بھی اور خوف کا خاتمہ بھی، جب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوئے اور صحابہ نے ان سے قتال کیا تو اس کے ذریعہ امن وسلامتی حاصل ہوئی۔

۵- مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کے بارے میں تین روایات منقول ہیں:

☆ حضرت خالد بن ولیدؓ جب مالک بن نویرہ اور اس کی قوم کے پاس پہونچے تو ان سے کہا: تمہارے مال کی زکوٰۃ کہاں ہے؟ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرلی ہے؟

مالک بن نویرہ نے کہا: یہ مال ہم تمہارے صاحب کو ان کی زندگی میں دیا کرتے تھے، ان کا انتقال ہو گیا لہذا اب ابوبکر کو کیوں دیں گے؟ اس پر حضرت خالد بن ولید غصہ ہوئے اور کہا: کیا وہ صرف ہمارے صاحب ہیں اور تمہارے نہیں؟ اس کے بعد حضرت خالد

نے حضرت ضرار بن ازور کو اس کی گردن مارنے کا حکم دیا۔

☆ دوسری روایت یہ ہے کہ مالک بن نویرہ نے سجاح کی پیروی کی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

☆ ایک تیسری روایت بھی ہے وہ یہ کہ جب حضرت خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی قوم سے بات کی اور اس سلسلہ میں ان کو تنبیہ کی، ان میں سے بعض کو مقید کیا تو انہوں نے اپنے ایک محافظ سے کہا" ادفئوا اسراکم "اپنے قیدیوں کے لئے سردی سے بچنے کا انتظام کرو، اس رات کو بہت زیادہ سردی تھی، قبیلہ ثقیف کی لغت کے مطابق ادفئوا کا مطلب تھا: قتل کرو، اس لئے محافظ نے یہ سمجھا کہ حضرت خالد قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں، اس نے ان کو اپنی سمجھ کے مطابق قتل کر ڈالا حالانکہ حضرت خالد نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔

اگر ہم سابقہ روایات میں سے کسی کو بھی درست مان لیتے ہیں تو اگر مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کے بارے میں حضرت خالد بن ولید سے غلطی ہوئی ہے تو اس سلسلہ میں ان کو معذور قرار دیا جا سکتا ہے مثلاً یہ کہ انہوں نے مانع زکوٰۃ کو قتل کیا ہے، یا یوں کہ مالک نے سجاح کذاب کی اتباع کی تھی اس لئے اس کو قتل کیا اور کوئی دلیل حضرت خالدؓ کے پاس موجود تھی جس کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا، بہر حال کسی بھی صورت میں حضرت خالد کسی حد یا قصاص کے مستحق نہیں ہیں، جیسا کہ حضرت خالد سے اس موقع پر ہوا، ایسا ہی صحابی جلیل حضرت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا جب کہ انہوں نے ایسے شخص کو قتل کیا جس نے آخری وقت میں لا إلہ إلا اللہ پڑھا تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی دیت یا کفارہ واجب نہیں کیا تھا۔

علامہ تقی اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں: "یا أیها الذین

آمنوا إذا ضربتم في سبيل الله فتبينوا ولا تقولوا لمن ألقى إليكم السلم لست مؤمنا تبتغون عرض الحياة الدنيا " (نساء:۹۴) ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے، اگر تم دنیوی فائدہ چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بہت سے اموال غنیمت ہیں۔"

کہتے ہیں: اس کا نزول اس وقت ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر سے واپس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو ایک دستہ لے کر فدک کی جانب یہودیوں کی ایک بستی میں بھیجا تا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں، ایک یہودی شخص ایک بستی میں رہتا تھا جس کا نام مرداس بن نہیک فدکی تھا، جب اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے دستہ کے بارے میں پتہ چلا تو اس نے اپنے گھر والوں کو اور اپنے مال کو جمع کیا اور ایک پہاڑ میں پناہ لی اور کہنے لگا: اشهد ان لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، اس کے پاس سے حضرت اسامہ بن زید کا گذر ہوا انہوں نے اس پر وار کیا اور اس کو قتل کر ڈالا، جب حضرت اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم نے ایسے شخص کو قتل کر ڈالا جو گواہی دے رہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں؟! انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اس نے تو قتل سے بچنے کے لئے یہ کلمہ پڑھا تھا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے تو اس کے دل کو چیر کر نہیں دیکھا تھا، نہ تو تم نے اس چیز کو قبول کیا جو اس کی زبان پر تھی، اور نہ ہی تم کو وہ چیز معلوم تھی جو اس کے دل میں تھی، اس کے بعد حضرت اسامہ نے قسم کھائی کہ کسی ایسے شخص

سے قتال نہیں کریں گے جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں"۔(1)

۲- جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا اس کے بعد اس کی بیوی سے اسی رات میں نکاح کر لیا، تو یہ بالکل سراسر غلط اور بے بنیاد قول ہے، جو کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے اور یہ اس کا مستحق بھی نہیں ہے کہ اس کے بارے میں کوئی تردیدی قول بیان کیا جائے۔ اس قول کے بے بنیاد ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم انصاف پسند انسان سے پوچھتے ہیں:

آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے اسی رات میں نکاح کیا جس میں مالک کو قتل کیا گیا، آپ اس سلسلہ میں ایک بھی صحیح سند والی روایت بیان کر سکتے ہیں؟!

خواہش پرست اور فتنہ پرور لوگ ہمیشہ صحابہ کرام سے محبت کرنے اور ان سے سرزد ہونے والے افعال کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیتے ہیں بلکہ وہ مختلف کتابوں میں موجود ضعیف روایات سے استدلال کرتے ہیں، ان کے معانی میں بھی تحریف کرتے ہیں اور ان کی غلط تاویل کرتے ہیں، جیسے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے قصہ میں کیا ہے گویا کہ انہوں نے -نعوذ باللہ- مالک بن نویرہ کو صرف اس کی بیوی کو حاصل کرنے کے لئے قتل کیا، حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے۔

جو بھی صحابہ کرام کے بارے میں غلط اور بے بنیاد باتیں پھیلانا چاہتا ہو اس کے

(1) تفسیر القمی ۱/۱۴۸، بحار الانوار ۲۱/۱۱، مستدرک الوسائل ۱۶/۹۷

لئے اس طرح کی باتیں کرنا مشکل نہیں ہے بلکہ ہر فتنہ پرور شخص اپنی خواہش کے مطابق واقعات و روایات اور تاریخ میں تحریف و غلط تاویل کر سکتا ہے۔

یہی طریقہ اختیار کر کے مستشرقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے بارے میں مختلف الزامات لگائے جیسے کہ حضرت خالد بن ولید کے بارے میں کہا گیا۔

کینہ پرور مستشرقین کے اس اعتراض کا پھر کیا جواب دیا جائے گا جب کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کی بیوی کو دیکھا جب کہ وہ غسل کر رہی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ پسند آ گئیں، ان کو ان کے شوہر (زید) سے طلاق دلوائی تا کہ وہ آپ کے لئے حلال ہو جائے؟

رضا علیہ السلام کہتے ہیں: "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی کے گھر تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ان کی زوجہ غسل کر رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان الذي خلقک! پاک ہے وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے جیسے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **افأصفاكم ربكم بالبنين واتخذ من الملائكة إناثا، إنكم لتقولون قولا عظيما.** (اسراء: ۴۰) ترجمہ: کیسی عجیب بات ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹوں سے نوازا اور خود اپنے لئے ملائکہ کو بیٹیاں بنا لیا؟ بڑی جھوٹی بات ہے جو تم زبانوں سے نکالتے ہو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ وہ ذات پاک ہے، اس سے کہ وہ اپنے لئے ایسی اولاد بنائے جس کو اس طرح پاکی اور صفائی

کی ضرورت پڑے! جب حضرت زیدؓ واپس اپنے گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی نے ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ کے قول کے بارے میں بتایا، حضرت زید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے، وہ یہ سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حسن اچھا لگا اس لئے آپ نے ایسا فرمایا، اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول! میری بیوی کے جسم میں کچھ کمی ہے، میں اس کو طلاق دینا چاہتا ہوں! نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا: اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ازواج کی تعداد پہلے ہی بتلا دی تھی اور یہ خاتون بھی انہی میں سے تھیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو اپنے دل میں راز ہی رکھا، حضرت زیدؓ کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد نے اپنے غلام سے کہا کہ تمہاری بیوی عنقریب میری زوجیت میں آئے گی، اس طرح لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں: **وإذ تقول للذي أنعم الله عليه وأنعمت عليه أمسک عليک زوجک واتق الله وتخفي في نفسک ما الله مبديه وتخشى الناس والله أحق أن تخشاه** (احزاب: ۳۷) ترجمہ: اے نبی! یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے انعام کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر، اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو"۔

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ نے ان کو طلاق دی اور ان کی عدت مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، اور اس کے بارے میں یہ

آیات نازل ہوئیں: فلما قضى زيد منها وطرا وزوجناكها لكي لا يكون على المؤمنين حرج في أزواج أدعيائهم إذا قضوا منهن وطرا وكان أمر الله مفعولا (احزاب: ۳۷)

ترجمہ: ''پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔''

بغض وعناد رکھنے والا شخص خوشی سے مچل جاتا ہے جب وہ اس طرح کی باتیں سنتا ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے محبت کرنے والا شخص ایک عذر کے بعد دوسرا عذر تلاش کرتا ہے، اگر ان کا کوئی عمل ایسا معلوم ہو جو بظاہر لغزش یا غلطی ہو، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو عام نہ کرے بلکہ ان کی اچھائیوں کے سمندر میں ان کو شامل کرے، ایسی بے بنیاد چیزوں سے اپنی پیٹھ پھیرے، اپنی نگاہ بند کر لے اور اپنی کانوں پر پردہ ڈال دے، اس لئے کہ محبت و تعلق کی علامت یہی ہے۔

جہاں تک باطل روایات کا تعلق ہے تو ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: '' فأما الزبد فيذهب جفاء (رعد: ۱۷)

ترجمہ: جو جھاگ ہے وہ اڑ جاتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔''

اختتام سے پہلے

چند گذارشات

عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ یہ بات معلوم ہے کہ صحابۂ کرام کا گروہ تاریخ انسانی کی سب سے بہترین گروہ اور وہ انبیاء ومرسلین کے بعد سب سے بہتر لوگ ہیں، ان کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله '' (آل عمران: ۱۱۰) ترجمہ: اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ـ نعوذ باللہ ـ ارتداد کا شکار ہوئے، اس کو کوئی بھی عقلمند انسان قبول نہیں کر سکتا ہے، بلکہ صحیح عقیدہ رکھنے والا عام مسلمان بھی ان بے بنیاد اعتراضات کا صرف چند سوالات کے ذریعہ جواب دے سکتا ہے، قرآن وسنت کی طرف رجوع کئے بغیر بھی بذات خود وہ اپنے ذہن سے جواب دے سکتا ہے، یہ سوالات حق کے طلبگار اور بصیرت کے حامل شخص کے ذہن میں ادنیٰ سے غور وفکر کے بعد پیدا ہو سکتے ہیں، یہ سوالات مندرجہ ذیل سطور میں دئے جا رہے ہیں:

۱ـ عقل اس بات کو کیسے قبول کر سکتی ہے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین کے اصحاب ـ نعوذ باللہ ـ کافر ہو سکتے ہیں، جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ہی اپنی کتاب عزیز میں ان کی تعریف فرمائی ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت نے بھی ان کی

تعریف کی ہے اور ان کے ظاہر و باطن کا تزکیہ فرمایا ہے، کیا اللہ تعالیٰ منافقین اور کفار و مرتدین کی تعریف کر سکتا ہے؟! اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت ایسا کر سکتے ہیں؟

۴- مرتد کسی شبہ کی وجہ سے یا خواہش کی وجہ سے مرتد ہوتا ہے، یہ سب جانتے ہیں کہ ابتداء میں اس طرح کی چیزیں زیادہ تھیں کیونکہ مسلمان اس وقت مظلوم و مقہور اور کمزور تھے جب کہ ہر جگہ کفار کا دور دورہ تھا، مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو ابتلاء و آزمائش کا نشانہ بنایا جا رہا تھا، اقارب سے بھی اور مشرکین کی طرف سے ان کو اذیت و تکالیف پہنچ رہی تھیں لیکن وہ صبر کر رہے تھے، اذیتوں کو برداشت کر رہے تھے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کی تھی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا تھے، مقہور و مغلوب تھے اور تمام لوگ آپ کے خلاف عداوت پر مجتمع تھے۔

بعض مسلمانوں نے ہجرت کی، اپنے گھر بار اور مال و دولت کو خیر باد کہا، اپنی قوم میں جو مقام و مرتبہ اور سیادت و قیادت ان کو حاصل تھی اس کو محض اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں چھوڑ دیا۔

یہ سب کچھ انہوں نے اختیار و آزادی اور رغبت و شوق کے ساتھ کیا، لہذا جس کا ایمان کمزوری اور بے کسی کی حالت میں مضبوط پہاڑوں کی طرح راسخ تھا، خدا کی قسم! اسلام کے غالب ہونے کے بعد اور اس کا پرچم بلند ہونے کے بعد اس کا ایمان کیسا ہوگا؟! بعد میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت کیوں کرتے؟ جب کہ وہ جانتے تھے کہ آپ کے حکم کی مخالفت اللہ کے ساتھ کفر ہے اور دین سے ارتداد ہے۔

لہذا کیا یہ معقول بات ہے کہ تمام مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکرؓ کے

ساتھ - نعوذ باللہ - کفر اختیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی اتباع کو ترک کر دیا، اور یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے فضل، اس کی خوشنودی کی تلاش میں اپنے گھروں سے نکلے تھے؟!

۳- ایک انسان کی عقل کیسے گوارہ کر سکتی ہے کہ صحابہ کے بارے میں کفر یا ارتداد کا حکم صادر کرے، حالانکہ حضرت علیؓ - جو عالم و فقیہ ہیں - سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''اس سے پہلے کہ میں تم سے رخصت ہو جاؤں مجھ سے پوچھ لو'' - حضرت علی نے اہل جمل اور صفین میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کی، نہ ہی ان کی ذریت کو قید کیا اور نہ ہی ان کے مال کو بطور غنیمت حاصل کیا، بلکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اس سے دور تھے، یہ تو ان لوگوں کے ساتھ کا معاملہ ہے جن کے ساتھ انہوں نے قتال کیا، رہے وہ لوگ جن کے ساتھ انہوں نے قتال نہیں کیا مثلاً حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ وغیرہم، ان لوگوں کے بارے میں ان کا موقف کیسا ہوگا؟!

بلکہ حضرت علیؓ نے بنو حنیفہ اور ان جیسے دوسرے مرتدوں پر مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا بلکہ جنگ جمل میں آپ اعلان کر رہے تھے: ''کسی بھی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی کا مال نہ چھینا جائے، کسی کو بے پردہ نہ کیا جائے، کسی کی عزت کو پامال نہ کیا جائے''۔(۱)

اسی طرح حضرت علیؓ اپنے لشکر سے کہتے تھے: ہم ان سے اس لئے نہیں لڑتے ہیں کہ ہم ان کی تکفیر کرتے ہوں اور نہ ہی اس لئے کہ انہوں نے ہماری تکفیر کی ہو، بلکہ بات

(۱) مستدرک الوسائل ۱۱/۵۴، بحار الانوار: ۳۲/۲۵۴

یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہی حق پر ہیں"۔(۱)

۴- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تو صالحین کی صحبت اختیار کرنے اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنے کا حکم دیں اور خود-نعوذ باللہ- ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھیں جو مرتد اور منافقین ہوں (جیسا کہ ان فتنہ پرور لوگوں کا دعوی ہے) اللہ اپنے نبی کو ایسے لوگوں سے کیوں نہ بچاتا اگر ایسا ہوتا؟!

۵- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تو اہل دین اور بہترین اخلاق کے حامل لوگوں کو قرابت دار بنانے کا حکم دیں اور اہل کبائر اور گنہگار لوگوں سے دور رہنے کا حکم دیں اور پھر خود اس معاملہ میں مخالفت کرکے مرتد لوگوں کو قرابت دار بنائیں، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم-نعوذ باللہ- اس میں غلطی پر تھے؟!

۶- اہل بیت اپنے بچوں کو کبار صحابہ کے ناموں سے کیوں موسوم کرتے ہیں، مثلا ابوبکر، عمر، اور عثمان، اور اس کو وہ پسند کرتے ہیں، لہذا اگر کوئی یہ دعوی کرتا ہے کہ-نعوذ باللہ- وہ مرتد یا کافر تھے تو اس کو فرعون وقارون اور دوسرے کفار کے ناموں سے اپنے بچوں کو موسوم کرنا جائز قرار دینا چاہئے، کیونکہ تب تو بات ایک ہی ہے۔ حالانکہ محبت کے اظہار کی دلیل ہی یہی ہے کہ انہی کے مبارک سرچشمہ سے استفادہ کیا جائے اور انہی کے نقش قدم پر چلا جائے۔

۷- ہم ایسے لوگوں کے طعن وتشنیع کو کیسے جائز قرار دے سکتے ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی؟ حالانکہ حضرت علیؓ نے بذات خود اپنے لوگوں کو انہیں برا بھلا کہنے

(۱) قرب الاسناد، ص:۴۵

اور ان پر لعن طعن کرنے سے منع کیا ہے؟ اور ان سے کہا: "مجھے تمہارے بارے میں یہ بات ناپسند ہے کہ تم لعنت کرنے والے اور برا بھلا کہنے والے بنو"۔(۱)

۸- تاریخ کے ساتھ انصاف کرنے والا شخص جب تاریخ پڑھتا ہے تو کہیں سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ صحابہ نے عہد نبوی میں کسی غلط فکر کی ترویج کی ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت کی ہو، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت قائم کی اور اس کو استحکام بخشا۔

بلکہ تمام صحابہ اپنی جان ومال کے ذریعہ جہاد کررہے تھے، بعض اسی راہ میں شہید ہوئے، کیا ایک منافق ایسا کرسکتا ہے؟ یا وہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے گا اور دنیاوی مفادات کے حصول کے لئے مواقع کی تلاش میں رہے گا؟!

۹- اسلامی فتوحات اور دوسرے کارہائے نمایاں، کیا یہ تمام چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے اور صدق وثبات کے واضح دلائل نہیں ہیں؟ یا اس میں اس کے دلائل ہیں کہ صحابہ دنیا سے محبت کرتے تھے، خواہش نفس کی پیروی کرتے تھے اور باطل کے لئے اپنی جانوں کو قربان کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ)؟!

۱۰- موجودہ زمانہ کی حکومتیں اپنی حکومتوں کے استحکام وتعاون کے لئے باصلاحیت اور وفادار لوگوں کا انتخاب کرتی ہیں، تو کیا یہ معقول بات ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کو بغیر حمایت ورہنمائی کے چھوڑ دیا ہو جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر سوچے سمجھے منافقین کی ایک جماعت کا انتخاب کیا ہوتا کہ وہ اپنے نبی کی معاونت کریں اور

(۱) مستدرک الوسائل ۱۲/۳۰۶، بحار الانوار: ۳۲/۳۹۹، وقعۃ صفین، ص:۱۰۳

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پھیلائیں، حالانکہ آپ خاتم الرسل ہیں۔

۱۱- ایک عام مسلمان کو ایک اہم مسئلہ کے بارے میں سوال کرنے کا حق ہے کہ اگر صحابہ -نعوذ باللہ- مرتد اور اللہ کے دین کو چھوڑنے والے تھے، لہذا ان کے واسطے سے جو کچھ منقول ہے وہ بھی باطل ہے! مثلاً احکام شرعیہ وغیرہ۔

لہذا کون سی صحیح شریعت کے مطابق ہم عبادت کریں؟ اور اس قرآن پر ہم کیسے اعتماد و انحصار کریں جس کو ان لوگوں نے نقل کیا ہے؟!

قارئین کرام! ہمیں اچھی طرح یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اعدائے اسلام نے صحابۂ کرام کے بارے میں طعن و تشنیع اور الزامات لگانے کا طریقہ اس لئے ایجاد کیا ہے کیونکہ وہی ہیں جنہوں نے قرآن وسنت کو صحیح اور متواتر سندوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، روئے زمین پر کوئی بھی ایسا دین موجود نہیں ہے جس میں اس کی کتاب مقدس یا نبی کے فرمودات کے بارے میں تواتر کے ساتھ ایسی سندیں موجود ہوں، یہ خصوصیت صرف مسلمانوں ہی کو حاصل ہے جو صحابۂ کرام سے محبت بھی کرتے ہیں اور ان کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔

قرآن کریم اور سنت نبوی دونوں چیزیں ہم تک حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام اور ان کے نقش قدم اور طریقہ پر چلنے والوں کے ذریعہ پہنچیں، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دین کو مٹانے کے لئے اور مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے کے لئے کس قدر دور اندیشی کے ساتھ ناپاک منصوبہ بندی کی گئی ہے تا کہ ہم بھی یہود و نصاریٰ کی اتباع کریں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو متنبہ فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ولن ترضی عنک الیهود ولا النصاری حتی**

تتبع ملتهم " (بقرة: ۱۲)

ترجمہ: یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔

اخیر میں ہم بھی وہی دعا کرتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں قیام کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

اللهم رب جبرائيل وميكائيل وإسرافيل فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم. آمين، آمين، آمين.

اے اللہ! جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! خالق ارض وسماء، ظاہر و باطن کا علم رکھنے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان صحیح فیصلہ فرمائے گا، ان تمام امور میں جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں، ہمیں حق کا راستہ اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرما، تو ہی جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ آمین!

فہرست مراجع

۱۔ قرآن کریم

۲۔ الاحتجاج، ابو منصور احمد بن علی طبرسی، مطبوعہ نشر مرتضیٰ مشہد مقدس (۱۴۱۳ھ)

۳۔ الاختصاص، محمد بن محمد نعمان (لقب: المفید) انتشارات کنگرہ جہانی قم، (۱۴۱۳ھ)

۴۔ ارشاد القلوب، حسن بن ابی الحسن دیلمی، انتشارات شریف رضا، ۱۴۱۲ھ۔

۵۔ آراء حول القرآن، سید فانی الاصفہانی، دار الہادی، بیروت

۶۔ اعلام الوری، امین الدین فضل بن حسن طبرسی، دار الکتب الاسلامیہ، طہران

۷۔ امالی الصدوق، ابو جعفر محمد بابویہ قمی (صدوق) انتشارات کتابخانہ اسلامیہ ۱۳۶۲ھ

۸۔ امالی الطوسی، شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، انتشارات دار الثقافہ قم ۱۴۱۴ھ

۹۔ بحار الانوار، شیخ محمد باقر مجلسی، موسسۃ الوفاء، بیروت، لبنان ۱۴۰۴ھ

۱۰۔ بصائر الدرجات، محمد بن حسن بن فروخ الصفار، مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی قم ۱۴۰۴ھ

۱۱۔ تأویل الآیات الظاہرۃ، سید شرف الدین حسینی استرابادی، انتشارات جامعۂ مدرسین قم، ۱۴۰۹ھ۔

۱۲۔ تہذیب الأحکام، ابو جعفر محمد عبد الحسن الطوسی، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ۱۳۶۵ھ

۱۳۔ تفسیر الأمثل، ناصر مکارم شیرازی، (پہلا ایڈیشن) موسسۃ البعثۃ للطباعۃ والنشر، بیروت

۱۴۔ تفسیر بیان السعادۃ، الحاج سلطان محمد الجنابذی، (دوسرا ایڈیشن) مطبعۃ جامعۃ طہران۔

۱۵۔ تفسیر التبیان، ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (پہلا ایڈیشن) تحقیق: احمد حبیب عاملی، قم، مکتب الاعلام الاسلامی۔

۱۶۔ تفسیر تقریب القرآن، سید محمد حسینی شیرازی، (پہلا ایڈیشن) موسسۃ الوفاء، بیروت۔

۱۷۔ تفسیر جامع الجوامع، امین الدین ابو علی الفضل طبرسی، (تیسرا ایڈیشن) موسسۃ النشر والطبع، جامعۃ طہران۔

۱۸۔ تفسیر الجدید، شیخ محمد سبزواری نجفی، (پہلا ایڈیشن) دار التعارف للمطبوعات، بیروت۔

۱۹۔ تفسیر الجوہر الثمین، سید عبد اللہ شبر (پہلا ایڈیشن)

مکتبۃ الالفین، کویت

۲۰- تفسیر شبر، سید عبداللہ شبر، (پہلا ایڈیشن) دار البلاغۃ للطباعۃ والنشر، بیروت

۲۱- تفسیر الصافی، مولیٰ محسن (الشیخ فیض الکاشانی) (پہلا ایڈیشن) دار المرتضیٰ للنشر، مشہد

۲۲- تفسیر العیاشی، ابوالنضر محمد بن مسعود بن عیاش، طہران، المکتبۃ العلمیۃ الاسلامیہ۔

۲۳- تفسیر القمی، علی بن ابراہیم القمی، (تیسرا ایڈیشن)، قم، موسسۃ دار الکتاب للطباعۃ والنشر۔

۲۴- تفسیر الکاشف، محمد جواد مغنیہ، (تیسرا ایڈیشن) دار العلم للملایین

۲۵- تفسیر مجمع البیان، امین الدین ابوعلی فضل طبرسی، بیروت، دار احیاء التراث العربی (۱۳۷۹ھ)

۲۶- تفسیر مختصر مجمع البیان - شیخ محمد باقر ناصری، (دوسرا ایڈیشن) موسسۃ النشر الاسلامی التابعۃ لجماعۃ المدرسین۔

۲۷- تفسیر المعین، المولیٰ نور الدین محمد بن مرتضیٰ الکاشانی، (پہلا ایڈیشن) مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ المرعشی نجفی، قم۔

۲۸- تفسیر من ھدی القرآن، سید محمد تقی المدرسی، (پہلا ایڈیشن) دار الھدیٰ۔

۲۹- تفسیر المنیر، محمد الکرمی، قم، المطبعۃ العلمیہ (۱۴۰۲ھ)

۳۰- تفسیر من وحی القرآن، سید محمد حسین فضل اللہ، (تیسرا ایڈیشن) بیروت، دار الزہراء للطباعۃ والنشر

۳۱- تفسیر المیزان، سید محمد حسین الطباطبائی، (تیسرا ایڈیشن) طہران، دار الکتب الاسلامیہ)

۳۲- تفسیر نور الثقلین، شیخ عبدعلی بن جمعہ الحویزی، (دوسرا ایڈیشن) المطبعۃ العلمیہ، قم۔

۳۳- تفسیر الوجیز، علی بن حسین بن ابی جامع العاملی، دار القرآن الکریم، قم (پہلا ایڈیشن)

۳۴- ثواب الاعمال، ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی، انتشارات شریف رضا، قم، ۱۳۳۶ھ۔

۳۵- الحدائق الناضرۃ، المحقق البحرانی، جامعۃ المدرسین، قم۔

۳۶- الخصال، ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی، (صدوق) انتشارات جامعہ مدرسین قم، ۱۴۰۳ھ)

۳۷- تفسیر مقتنیات الدرر - میر سید علی حائری طہرانی - طہران - دار الکتب الاسلامیہ

۳۸- الدعوات، قطب الدین راوندی، مدرسۃ الامام المھدی، (ع)، قم، ۱۴۰۷ھ)

۳۹- رجال ابن داؤد، ابن داؤد الحلی، موسسۃ النشر فی جامعۃ طہران، ۱۳۸۳ھ۔

۴۰- رجال الطوسی، ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، منشورات الرضیٰ، قم، ایران۔
۴۱- رجـــال الـکشـــی، محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی، انتشارات تدوانشگاہ، مشہد، ۱۳۴۸ھ
۴۲- سر السلسلة العلوية، ابن نصر بخاری
۴۳- سـيـرة الأئـمـة الإثـنـی عشـر، سید ہاشم (الحسنی) دارالمعارف، (چھٹا ایڈیشن)
۴۴- شرح أصول الكافی، مولی محمد صالح المازندرانی۔
۴۵- شـــرح نهـــج البـــلاغة، عبدالحمید بن ابی الحدید المعتزلی، کتابخانہ آیۃ اللہ المرعشی، قم ۱۴۰۴ھ
۴۶- الـصـحـيـح مـن سـيـرة النبی الأعظم، علامہ سید جعفر مرتضیٰ العاملی، دارالهادی، بیروت، (چوتھا ایڈیشن)
۴۷- الصحيفة السجادية، امام علی بن حسین (ع) نشر الهادی، قم، ۱۳۷۶ھ
۴۸- صـراط الـنـجـاة فی أجوبة الاستفتاءات، آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابو القاسم الخوئی، دار المحجۃ البیضاء، دار الرسول الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم (پہلا ایڈیشن)
۴۹- علل الشرائع، ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی (صدوق) انتشارات مکتبۃ الداوری، قم
۵۰- الـعـمـدة، ابن بطریق یحییٰ بن حسن الحلی، انتشارات جامعہ مدرسین، قم (۱۴۰۷ھ)
۵۱- عـمدة الطالب في أنساب آل ابي طالب، جمال الدین احمد حسین

بن علی بن مہنا (ابن عنبہ) ت ۸۲۸ھ، منشورات المطبعۃ الحیدریۃ، نجف
۵۲- عـوالـي الـلآلـی، ابن ابی جمہور الاحسائی، انتشارات سید الشہداء، قم (۱۴۰۵ھ)
۵۳- عيـــون أخبـــار الـــرضــــا، ابوجعفر محمد بن علی (صدوق) انتشارات جہان، (۱۳۷۸ھ)
۵۴- فـرق الشيـعة، شیخ الحسن بن موسیٰ نوبختی، (دوسرا ایڈیشن) ۱۴۰۴ھ) منشورات دار الاضواء، بیروت، لبنان
۵۵- فقه الرضا (ع) نشر المؤتمر للامام الرضا (ع) (۱۴۰۶ھ)
۵۶- قرب الإسناد، عبداللہ بن جعفر حمیری، مکتبۃ نینوی، طہران۔
۵۷- الكافی، محمد بن یعقوب الکلینی، دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۳۶۵ھ
۵۸- كشف الـغـمـه فـي مـعـرفة الأئمه، ابوالحسن علی بن عیسیٰ اربلی، چاپ مکتبۃ بنی ہاشم تبریز ۱۳۸۱ھ
۵۹- لـســان الـعـرب، علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، دار الفکر للطباعۃ والنشر، (پہلا ایڈیشن)
۶۰- مجموعه ورام، ورام بن ابی فراس، انتشارات مکتبۃ الفقیہ، قم
۶۱- مجمع الرجال، علی القہپائی، مؤسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان، قم
۶۲- مـدينة الـمـعـاجز، سید ہاشم البحرانی، مؤسسۃ المعارف الاسلامیۃ، قم، (پہلا ایڈیشن)
۶۳- مســتـدرک الــوســائـل، حسین النوری طبرسی، مؤسسۃ

آل البیت، قم ۱۴۰۸ھ

۶۴- المقالات والفرق ، سعد بن عبداللہ اشعری، موسسۃ مطبوعاتی عطائی، طہران، ۱۹۶۳ء

۶۵- من لا یحضرہ الفقیہ، شیخ الصدوق، موسسۃ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۳ھ

۶۶- مناقب آل ابی طالب علیہ السلام، ابوجعفر محمد بن علی بن شہر آشوب المازندرانی، موسسۃ انتشارات العلامہ، قم، ۱۳۷۹ھ

۶۷- منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغۃ ، علامہ میرزا حبیب اللہ الخوئی، موسسۃ دار الوفاء، بیروت

۶۸- نہج البلاغۃ، شریف رضی، انتشارات دار الہجرۃ، قم

۶۹- النوادر، سید فضل اللہ الراوندی، موسسۃ دار الکتاب، قم

۷۰- وقعۃ صفین ، نصر بن مزاحم بن سیار المنقری، مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی، قم (۱۴۰۳ھ)

۷۱- وسائل الشیعہ محمد بن حسن الحر العاملی، موسسۃ آل البیت، قم، ۱۴۰۹ھ